بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم

ثنائے خواجہ

نبی اکرم ﷺ کی ولادتِ باسعادت ربیع الاوّل میں ہوئی۔ یہ شمارہ جب قارئین تک پہنچے گا تو ماہِ ربیع الاوّل ختم ہو چکا ہوگا۔ عام روایتی لحاظ سے دیکھا جائے تو حضور ﷺ کو نذرانۂ عقیدت پیش کرنے کے لیے یہ تحریر گزشتہ ماہ لکھی جانا چاہیے تھی‘ لیکن ان ہی دنوں میں چونکہ مالاکنڈ ایجنسی اور گرد و نواح کے علاقہ میں غلامانِ محمدؐ کی سعی و جہد سے شریعتِ محمدیؐ کا نفاذ ہوا تھا‘ لہٰذا ہم نے چاہا کہ اس خوشخبری کو قارئین تک پہنچا کر ہم بھی اس نیک کام میں حقیر سا حصہ ڈال لیں۔ رہا سوال حضور ﷺ کی خدمت میں نذرانۂ عقیدت پیش کرنے کا تو ربیع الاوّل کیا اور ربیع الثانی کیا؟ کونسا ماہ‘ دن‘ وقت اور گھڑی ایسی نہیں ہوتی کہ ہم آپ ﷺ پر درود بھیج کر آپ ﷺ کی خدمت میں نذرانۂ عقیدت پیش کر کے اپنی دنیا اور آخرت نہ سنوار سکیں؟ اگرچہ حال ہی میں ایک بزرگ کی زبان سے یہ سن کر قلم تھرتھر کانپ رہا ہے کہ دنیا کا کوئی بھی انسان دنیا کی کسی بھی زبان میں آپ ﷺ کی ثنا خوانی کرے‘ آپ ﷺ کی صفات و کمالات بیان کرے‘ ممکن نہیں کہ اس کا حق ادا کر سکے کیونکہ شدید خطرہ لاحق رہتا ہے کہ انسان کی محدود سوچ اور تحریر و تقریر کی محدود صلاحیت سے کہیں کوئی توہین کا پہلو نہ نکل آئے۔ ہماری رائے میں یہ بات بالکل درست ہے‘ اس لیے کہ غالب جیسا زبان دان اور قادر الکلام یہ کہہ کر ہتھیار ڈال دیتا ہے کہ: ؎

غالب ثنائے خواجہ بیزداں گزاشتیم
کاں ذاتِ پاک مرتبہ دانِ محمدؐ است

اور کسی شاعر نے ان الفاظ میں بھی حقیقت کا اظہار کرنے کی کوشش کی ہے: ؎

ہزار بار بشویم دہن ز مشک و گلاب
ہنوز نامِ تو گفتن کمال بے ادبی است

کس شجر کی شاخ سے بنے گا وہ قلم اور کیسے میسر آئے گی وہ زبان جو آپ ﷺ کے اوصافِ

حمیدہ کا احاطہ کر سکے! —— طائف میں سخت ترین دن گزار کر خون آلود جوتیوں کو بمشکل پاؤں سے الگ کرتے ہوئے یہ ردِّعمل دینا کہ یہ بستی تباہ نہ ہو' شاید یہاں دین کا کوئی خادم پیدا ہو جائے۔ کوڑا کرکٹ پھینکنے والی بڑھیا کی مزاج پرسی کے لیے تشریف لے جانا کہ وہ آج اپنا عمل کیوں نہ دہرا سکی۔ فتح مکہ پر عاجزی سے سر کو اتنا جھکا لینا کہ وہ گھوڑے کی گردن چھونا چاہے' اور اپنے خون کے پیاسوں اور بدترین دشمنوں کو عام معافی دینا —— کسی ماہنامہ کا ڈیڑھ دو صفحہ کا بے چارہ اداریہ کس کس ادا کا احاطہ کرے گا؟ درحقیقت یہ ہے وہ انسانیت' یہ ہے وہ بشریت' جس کے آگے فرشتوں کے پاس سجدہ کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا' اگرچہ یہ اللہ ربّ العزت کے حکم سے ہوا' یہ اُسی کے بس کی بات ہے کہ وہ الحکیم العلیم اور العزیز بھی تو ہے۔ اس بزرگ کہ اس صحیح انتباہ کے باوجود سمندر میں پانی کا ایک قطرہ مزید ڈالنے کی کوشش اس لیے کرنی چاہیے تاکہ آئندہ نسلوں کو کچھ نہ کچھ آگاہی حاصل ہوتی رہے۔ پھر یہ کہ اس حوالہ سے تحریر وتقریر کے بعد اس پناہ گاہ میں پناہ حاصل کر لینی چاہیے کہ: ع

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر!

اُمت مسلمہ کا المیہ یہ ہے کہ جس طرح ہم قرآن مجید کو چومنے چاٹنے' اسے ریشمی غلاف میں لپٹا کر اونچا رکھنے اور زیادہ سے زیادہ محض اس کی ناظرہ تلاوت کرنے کو اپنا کل دینی فریضہ سمجھتے ہیں' اسی طرح حضورﷺ کی ثنا خوانی اور نعت گوئی سے مطمئن ہو جاتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ اگر ہم اللہ کی کتاب کی تکریم کے باوجود اس کو کتابِ ہدایت نہ سمجھیں' اسے اپنا امام نہ بنائیں' اس کے اوامر ونواہی کا خود کو پابند نہ بنائیں' اسی طرح حضورﷺ کی ثنا خوانی تو کریں لیکن سنتِ رسولؐ پر عمل پیرا ہونے سے گریز کریں' آپﷺ کے مشن کو اپنا مشن نہ بنائیں' تو کیا ہم اللہ اور رسول کو راضی کر سکیں گے؟ بلکہ یہ کہہ دینے میں بھی کوئی حرج نہیں کہ کیا اللہ کے غضب سے بچ سکیں گے اور رسول اللہﷺ کی شفاعت کے حق دار قرار پا سکیں گے؟ بلاتشبیہہ عرض کیے دیتے ہیں کہ حضورﷺ کی ذات تو بڑی اعلیٰ وارفع ہے' چہ نسبت خاک را با عالم پاک! کیا ایک عام شریف النفس انسان بھی پسند کرے گا کہ کوئی اس کی تعریف وتوصیف تو بہت کرے لیکن طرزِ زندگی بالکل مختلف رکھے' اس کی پسند اور ناپسند کا قطعی کوئی لحاظ نہ کرے اور خود کو اس کی تعلیمات کا پابند نہ سمجھے۔ جس ذات کے بارے میں خالق کائنات اور مالک

(باقی صفحہ 95 پر)

دورۂ ترجمۂ قرآن　　ڈاکٹر اسرار احمد

سُورۂ آلِ عمران

آیات ۱۰۲ تا ۱۰۹

﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقٰتِہٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ﴿۱۰۲﴾
وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا۪ وَاذْکُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ
اِذْ کُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِکُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِہٖٓ اِخْوَانًا ۚ وَکُنْتُمْ
عَلٰی شَفَا حُفْرَۃٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَکُمْ مِّنْھَا ؕ کَذٰلِکَ یُبَیِّنُ اللّٰہُ لَکُمْ اٰیٰتِہٖ
لَعَلَّکُمْ تَھْتَدُوْنَ﴿۱۰۳﴾ وَلْتَکُنْ مِّنْکُمْ اُمَّۃٌ یَّدْعُوْنَ اِلَی الْخَیْرِ وَیَاْمُرُوْنَ
بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ ؕ وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴿۱۰۴﴾ وَلَا تَکُوْنُوْا
کَالَّذِیْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَھُمُ الْبَیِّنٰتُ ؕ وَاُولٰٓئِکَ لَھُمْ
عَذَابٌ عَظِیْمٌ﴿۱۰۵﴾ یَّوْمَ تَبْیَضُّ وُجُوْہٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْہٌ ۚ فَاَمَّا الَّذِیْنَ اسْوَدَّتْ
وُجُوْھُھُمْ ۣ اَکَفَرْتُمْ بَعْدَ اِیْمَانِکُمْ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا کُنْتُمْ تَکْفُرُوْنَ﴿۱۰۶﴾
وَاَمَّا الَّذِیْنَ ابْیَضَّتْ وُجُوْھُھُمْ فَفِیْ رَحْمَۃِ اللّٰہِ ؕ ھُمْ فِیْھَا خٰلِدُوْنَ﴿۱۰۷﴾ تِلْکَ
اٰیٰتُ اللّٰہِ نَتْلُوْھَا عَلَیْکَ بِالْحَقِّ ؕ وَمَا اللّٰہُ یُرِیْدُ ظُلْمًا لِّلْعٰلَمِیْنَ﴿۱۰۸﴾ وَلِلّٰہِ مَا
فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ وَاِلَی اللّٰہِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ﴿۱۰۹﴾﴾

اب سورۃ آل عمران کا نصفِ ثانی شروع ہو رہا ہے' جس کا پہلا حصہ دو رکوعوں پر مشتمل ہے۔ آپ نے یہ مشابہت بھی نوٹ کر لی ہوگی کہ سورۃ البقرۃ کے نصفِ اوّل میں بھی ایک مرتبہ ﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ سے خطاب تھا: ﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا ؕ﴾ اسی طرح سورۃ آل عمران کے نصفِ اوّل میں بھی ایک آیت اوپر آ چکی

ہے: ﴿یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تُطِیْعُوْا فَرِیْقًا مِّنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ یَرُدُّوْکُمْ بَعْدَ اِیْمَانِکُمْ کٰفِرِیْنَ﴿۱۰۰﴾﴾ لیکن مسلمانوں سے اصل خطاب گیارہویں رکوع سے شروع ہو رہا ہے اور یہاں پر اصل میں اُمت کو ایک سہ نکاتی لائحہ عمل دیا جا رہا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ اُمت اب قیامت تک قائم رہنے والی ہے' اور اس میں زوال بھی آئے گا اور اللہ تعالیٰ اولوالعزم اور باہمت لوگوں کو بھی پیدا کرے گا' جیسا کہ ہمیں معلوم ہے کہ مجددین اُمت ہر صدی کے اندر اٹھتے رہے۔ لیکن جب بھی تجدید دین کا کوئی کام ہو' دین کو ازسرنو تروتازہ کرنے کی کوشش ہو' دین کو قائم کرنے کی جدوجہد ہو تو اُس کا ایک لائحہ عمل ہوگا۔ وہ لائحہ عمل سورۂ آل عمران کی ان تین آیات (۱۰۲'۱۰۳'۱۰۴) میں نہایت جامعیت کے ساتھ سامنے آیا ہے۔ یہ حسن اتفاق ہے کہ یہ بھی تین آیات ہیں جیسے سورۃ العصر کی تین آیات ہیں' جو نہایت جامع ہیں۔ ان آیات کے مضامین پر میری ایک کتاب بھی موجود ہے ''اُمت مسلمہ کے لیے سہ نکاتی لائحہ عمل'' اور اس کا انگریزی میں بھی ترجمہ ہو چکا ہے۔ اس لائحہ عمل کا پہلا نکتہ یہ ہے کہ جب بھی کوئی کام کرنا ہے تو سب سے پہلے افراد کی شخصیت سازی' کردارسازی کرنا ہوگی۔ چنانچہ فرمایا:

آیت ۱۰۲ ﴿یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقٰتِہٖ﴾ ''اے اہل ایمان! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو جتنا کہ اُس کے تقویٰ کا حق ہے''

﴿وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ﴿۱۰۲﴾﴾ ''اور تمہیں ہرگز موت نہ آنے پائے مگر فرمانبرداری کی حالت میں۔''

قرآن مجید میں تقویٰ کی تلقین کے لیے یہ سب سے گاڑھی آیت ہے۔ اس پر صحابہؓ گھبرا گئے کہ یارسول اللہﷺ! اللہ کے تقویٰ کا حق کون ادا کرسکتا ہے؟ پھر جب سورۃ التغابن کی یہ آیت نازل ہوئی کہ ﴿فَاتَّقُوا اللّٰہَ مَااسْتَطَعْتُمْ﴾ (آیت ۱۶) ''اپنی امکانی حد تک اللہ کا تقویٰ اختیار کرو'' تب ان کی جان میں جان آئی۔ تقویٰ کے حکم کے ساتھ ہی یہ فرمایا کہ ''مت مرنا مگر حالت فرمانبرداری میں''۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ کوئی پتہ نہیں کس لمحے موت آجائے' لہٰذا تمہارا کوئی لمحہ نافرمانی میں نہ گزرے' مبادا موت کا ہاتھ اسی وقت آ کر تمہیں دبوچ لے۔ اگر پہلے اس طرح کی شخصیتیں نہ بنی ہوں تو اجتماعی اصلاح کا کوئی کام نہیں ہوسکتا۔ اس لیے پہلے افراد کی کردارسازی پر زور دیا گیا۔ اس کے بعد دوسرا مرحلہ یہ ہے کہ ایک اجتماعیت اختیار کرو۔

آیت ۱۰۳ ﴿وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا﴾ ''اللہ کی رسّی کو مضبوطی

سے تھام لو مل جل کر اور تفرقے میں نہ پڑو۔‘‘

یاد رہے کہ اس سے پہلے آیت ۱۰۱ ان الفاظ پر ختم ہوئی ہے: ﴿وَمَنۡ یَّعۡتَصِمۡ بِاللّٰہِ فَقَدۡ هُدِیَ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ﴿۱۰۱﴾﴾ ’’اور جو کوئی اللہ تعالیٰ سے چمٹ جائے (اللہ کی حفاظت میں آ جائے) اس کو تو ہدایت ہو گئی صراطِ مستقیم کی طرف‘‘۔ سورۃ الحج کی آخری آیت میں بھی یہ لفظ آیا ہے: ﴿وَاعۡتَصِمُوۡا بِاللّٰہِ﴾ ’’اور اللہ سے چمٹ جاؤ!‘‘ اب اللہ کی حفاظت میں کیسے آیا جائے؟ اللہ سے کیسے چمٹیں؟ اس کے لیے فرمایا: ﴿وَاعۡتَصِمُوۡا بِحَبۡلِ اللّٰہِ﴾ کہ اللہ کی رسی سے چمٹ جاؤ‘ اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو۔ اور یہ اللہ کی رسّی کونسی ہے؟ متعدد احادیث سے واضح ہوتا ہے کہ یہ ’’قرآن‘‘ ہے۔ ایک طرف انسان میں تقویٰ پیدا ہو‘ اور دوسری طرف اس میں علم آنا چاہیے‘ قرآن کا فہم پیدا ہونا چاہیے‘ قرآن کے نظریات کو سمجھنا چاہیے‘ قرآن کی حکمت کو سمجھنا چاہیے۔ انسانوں میں اجتماعیت جانوروں کے گلوں کی طرح نہیں ہوسکتی کہ بھیڑ بکریوں کا ایک بڑا ریوڑ ہے اور ایک چرواہا ایک لکڑی لے کر سب کو ہانک رہا ہے۔ انسانوں کو جمع کرنا ہے تو ان کے ذہن ایک جیسے بنانے ہوں گے‘ ان کی سوچ ایک بنانی ہوگی۔ یہ حیوانِ عاقل ہیں‘ باشعور لوگ ہیں۔ ان کی سوچ ایک ہو‘ نظریات ایک ہوں‘ مقاصد ایک ہوں‘ ہم آہنگی ہو‘ نقطۂ نظر ایک ہو تبھی تو یہ جمع ہوں گے۔ اس کے لیے وہ چیز چاہیے جو اُن میں یک رنگئ خیال‘ یک رنگئ نظر‘ یک جہتی اور مقاصد کی ہم آہنگی پیدا کر دے‘ اور وہ قرآن ہے‘ جو ’’حبل اللہ‘‘ ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی طویل حدیث میں قرآن حکیم کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کے الفاظ نقل ہوئے ہیں: ((وَهُوَ حَبۡلُ اللّٰہِ الۡمَتِیۡنُ))[۱] حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضور ﷺ نے فرمایا: ((کِتَابُ اللّٰہِ ، حَبۡلٌ مَمۡدُوۡدٌ مِنَ السَّمَاءِ اِلَی الۡاَرۡضِ))[۲] ’’اللہ کی کتاب (کو تھامے رکھنا)‘ یہی وہ مضبوط رسّی ہے جو آسمان سے زمین تک تنی ہوئی ہے‘‘۔ ایک اور حدیث میں فرمایا: ((اَبۡشِرُوۡا اَبۡشِرُوۡا ...... فَاِنَّ هٰذَا الۡقُرۡآنَ سَبَبٌ‘ طَرَفُهٗ بِیَدِ اللّٰہِ وَطَرَفُهٗ بِاَیۡدِیۡکُمۡ))[۳] ’’خوش ہو جاؤ‘ خوشیاں مناؤ...... یہ قرآن ایک واسطہ ہے‘ جس کا ایک سرا اللہ کے ہاتھ میں ہے اور ایک سرا تمہارے ہاتھ میں ہے‘‘۔ چنانچہ

(۱) سنن الترمذی‘ ابواب فضائل القرآن عن رسول اللہ ﷺ‘ باب ما جاء فی فضل القرآن۔
(۲) سنن الترمذی‘ ابواب المناقب عن رسول اللہ ﷺ‘ باب مناقب اھل بیت النبی ﷺ۔
(۳) مصنف ابن ابی شیبہ‘ کتاب فضائل القرآن‘ باب فی التمسک بالقرآن۔

تقرب الی اللہ کا ذریعہ بھی قرآن ہے' اور مسلمانوں کو آپس میں جوڑ کر رکھنے کا ذریعہ بھی قرآن ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہماری دعوت وتحریک کا منبع وسرچشمہ اور مبنیٰ ومدار قرآن ہے۔ اس کا عنوان ہی ''دعوت رجوع الی القرآن'' ہے۔ میں نے اپنی پوری زندگی الحمدللہ اسی کام میں کھپائی ہے اور اسی کے ذریعہ سے انجمن ہائے خدام القرآن اور قرآن اکیڈمیز کا سلسلہ قائم ہوا۔ ان اکیڈمیز میں ''ایک سالہ رجوع الی القرآن کورس'' برسہا برس سے جاری ہے۔ اس کورس میں جدید تعلیم یافتہ لوگ داخلہ لیتے ہیں' جو ایم اے/ایم ایس سی ہوتے ہیں' بعض پی ایچ ڈی کر چکے ہوتے ہیں' ڈاکٹر اور انجینئر بھی آتے ہیں۔ وہ ایک سال لگا کر عربی سیکھتے ہیں تاکہ قرآن کو سمجھ سکیں۔ ظاہر ہے جب قرآن مجید کے ساتھ آپ کی وابستگی ہوگی تو پھر آپ دین کے اس رخ پر آگے چلیں گے۔ تو یہ دوسرا نکتہ ہوا کہ اللہ کی رسی کو مل جل کر مضبوطی سے تھام لو اور تفرقہ میں نہ پڑو۔

﴿وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً﴾ ''اور ذرا یاد کرو اللہ کا جو انعام تم پر ہوا جبکہ تم ایک دوسرے کے دشمن تھے''

﴿فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ﴾ ''تو اللہ نے تمہارے دلوں کے اندر الفت پیدا کر دی''

﴿فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖۤ اِخْوَانًا﴾ ''پس تم اللہ کے فضل و کرم سے بھائی بھائی بن گئے۔''

یہاں اوّلین مخاطب انصار ہیں۔ ان کے جو دو قبیلے تھے اوس اور خزرج وہ آپس میں لڑتے آ رہے تھے۔ سو برس سے خاندانی دشمنیاں چلی آ رہی تھیں اور قتل کے بعد قتل کا سلسلہ جاری تھا۔ لیکن جب ایمان آ گیا' اسلام آ گیا' اللہ کی کتاب آ گئی' محمد رسول اللہ ﷺ آ گئے تو اب وہ شیر وشکر ہو گئے' ان کے جھگڑے ختم ہو گئے۔ اسی طرح پورے عرب کے اندر غارت گری ہوتی تھی' لیکن اب اللہ نے اسے دارالامن بنا دیا۔

﴿وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ﴾ ''اور تم تو آگ کے گڑھے کے کنارے تک پہنچ گئے تھے'' (بس اس میں گرنے ہی والے تھے)

﴿فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا﴾ ''تو اللہ نے تمہیں اس سے بچا لیا۔''

﴿كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ﴾ ''اسی طرح اللہ تمہارے

لیے اپنی آیات واضح کر رہا ہے تا کہ تم راہ پاؤ (اور صحیح راہ پر قائم رہو)۔''

اُمت مسلمہ کے لیے سہ نکاتی لائحہ عمل کے یہ دو نکتے بیان ہو گئے۔ سب سے پہلے افراد کے کردار کی تعمیر' انہیں تقویٰ اور فرمانبرداری جیسے اوصاف سے متصف کرنا —— اور پھر ان کو ایک جمعیت' تنظیم یا جماعت کی صورت میں منظّم کرنا' اور اس تنظیم کا معنوی محور قرآن مجید ہونا چاہیے' جو حبل اللہ ہے۔ بقول علامہ اقبال: ع اعتصامش کن کہ حبل اللہ اوست! اس کو مضبوطی سے تھامو کہ یہ حبل اللہ ہے! اس جماعت سازی کا فطری طریقہ بھی ہم اسی سورت کی آیت ۵۲ کے ذیل میں پڑھ چکے ہیں کہ کوئی اللہ کا بندہ داعی بن کر کھڑا ہو اور ﴿مَنۡ اَنۡصَارِیۡۤ اِلَی اللّٰہِ﴾ کی آواز لگائے کہ میں تو اس راستے پر چل رہا ہوں' اب کون ہے جو میرے ساتھ اس راستے پر آتا ہے اور اللہ کی راہ میں میرا مددگار بنتا ہے؟ ایسی جمعیت جب وجود میں آئے گی تو وہ کیا کرے گی؟ اس ضمن میں یہ تیسری آیت اہم ترین ہے:

آیت ۱۰۴ ﴿وَلۡتَکُنۡ مِّنۡکُمۡ اُمَّۃٌ یَّدۡعُوۡنَ اِلَی الۡخَیۡرِ وَیَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَیَنۡھَوۡنَ عَنِ الۡمُنۡکَرِ ؕ﴾ ''اور تم میں سے ایک جماعت ایسی ضرور ہونی چاہیے جو خیر کی طرف دعوت دے' نیکی کا حکم دیتی رہے اور بدی سے روکتی رہے۔''

اس جماعت کے کرنے کے تین کام بتائے گئے ہیں' جن میں اوّلین دعوت الی الخیر ہے' اور واضح رہے کہ سب سے بڑا خیر یہ قرآن ہے۔

﴿وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ ﴿۱۰۴﴾﴾ ''اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔''

یہاں لفظ'' مِنۡکُمۡ '' بڑا معنی خیز ہے کہ تم میں سے ایک ایسی اُمت وجود میں آنی چاہیے۔ گویا ایک تو بڑی اُمت ہے اُمت مسلمہ' وہ تو ایک سو پچاس کروڑ نفوس پر مشتمل ہے' جو خوابِ غفلت میں مدہوش ہیں' اپنے منصب کو بھولے ہوئے ہیں' دین سے دور ہیں۔ لہٰذا اس اُمت کے اندر ایک چھوٹی اُمت یعنی ایک جماعت وجود میں آئے جو ''جاگو اور جگاؤ'' کا فریضہ سرانجام دے۔ اللہ نے تمہیں جاگنے کی صلاحیت دے دی ہے' اب اوروں کو جگاؤ اور اس کے لیے طاقت فراہم کرو' ایک منظّم جماعت بناؤ! فرمایا کہ یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔ وہ بڑی اُمت جو کروڑوں افراد پر مشتمل ہے اور یہ کام نہیں کرتی وہ اگر فلاح اور نجات کی اُمید رکھتی ہے تو یہ ایک اُمید موہوم ہے۔ فلاح پانے والے صرف یہ لوگ ہوں گے جو تین کام کریں گے: (i) دعوت الی الخیر (ii) امر بالمعروف (iii) نہی عن المنکر۔ میں نے ''منہج انقلابِ

نبویؐ‘‘ کے مراحل و مدارج کے ضمن میں بھی یہ بات واضح کی ہے کہ اسلامی انقلاب کے لیے آخری اقدام بھی ’’نہی عن المنکر بالید‘‘ ہوگا۔ اس لیے کہ حدیث میں رسول اللہﷺ نے نہی عن المنکر کے تین مراتب بیان کیے ہیں۔ حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہﷺ نے ارشاد فرمایا:

((مَنْ رَاٰی مِنْکُمْ مُنْکَرًا فَلْیُغَیِّرْهُ بِیَدِهٖ‘ فَاِنْ لَمْ یَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهٖ‘ فَاِنْ لَمْ یَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهٖ‘ وَذٰلِکَ اَضْعَفُ الْاِیْمَانِ))(۱)

’’تم میں سے جو کوئی کسی منکر کو دیکھے اس کا فرض ہے کہ اسے زورِ بازو سے روک دے۔ پس اگر اس کی طاقت نہیں ہے تو زبان سے روکے۔ پھر اگر اس کی بھی ہمت نہیں ہے تو دل میں برائی سے نفرت ضرور رکھے۔ اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے‘‘۔

اگر دل میں نفرت بھی ختم ہوگئی ہے تو سمجھ لو کہ متاعِ ایمان رخصت ہوگئی ہے۔ بقول اقبال: ؎

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا!

ہاں‘ دل میں نفرت ہے تو اگلا قدم اٹھاؤ۔ زبان سے کہنا شروع کرو کہ بھائی یہ چیز غلط ہے‘ اللہ نے اس کو حرام ٹھہرایا ہے‘ یہ کام مت کرو۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ اپنی ایک طاقت بناتے جاؤ۔ ایک جماعت بناؤ‘ قوت مجتمع کرو۔ جب وہ طاقت جمع ہو جائے تو پھر کھڑے ہو جاؤ کہ اب ہم یہ غلط کام نہیں کرنے دیں گے۔ پھر وہ ہوگا ’’نہی عن المنکر بالید‘‘ یعنی طاقت کے ساتھ برائی کو روک دینا۔ اور یہ ہوگا انقلاب کا آخری مرحلہ۔

تو ان تین آیات کے اندر عظیم ہدایت ہے‘ انقلاب کا پورا لائحہ عمل موجود ہے‘ بلکہ اسی میں منہجِ انقلابِ نبویؐ کا جو آخری اقدامی عمل ہے وہ بھی پوشیدہ ہے۔

آیت ۱۰۵ ﴿وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ﴾

’’اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جو فرقوں میں بٹ گئے اور انہوں نے اختلاف پیدا کر لیے اس کے بعد کہ ان کے پاس واضح تعلیمات آ گئی تھیں۔‘‘

﴿وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ﴾ ’’اور ان ہی لوگوں کے لیے بہت بڑا عذاب ہے۔‘‘

---

(۱) صحیح مسلم‘ کتاب الایمان‘ باب بیان کون النھی عن المنکر من الایمان ......

آیت ۱۰۶ ﴿یَّوۡمَ تَبۡیَضُّ وُجُوۡہٌ وَّتَسۡوَدُّ وُجُوۡہٌ﴾ ''(قیامت کے دن) جس دن بعض چہرے بڑے روشن اور تابناک ہوں گے اور بعض چہرے سیاہ ہوں گے۔''

﴿فَاَمَّا الَّذِیۡنَ اسۡوَدَّتۡ وُجُوۡہُہُمۡ﴾ ''تو جن لوگوں کے چہرے سیاہ ہوں گے (ان سے پوچھا جائے گا)''

﴿اَکَفَرۡتُمۡ بَعۡدَ اِیۡمَانِکُمۡ﴾ ''کیا تم اپنے ایمان کے بعد کفر میں لوٹ گئے تھے؟''

ہدایت کے آنے کے بعد تم لوگ تفرقے میں پڑ گئے تھے اور حبل اللہ کو چھوڑ دیا تھا۔

﴿فَذُوۡقُوا الۡعَذَابَ بِمَا کُنۡتُمۡ تَکۡفُرُوۡنَ﴿۱۰۶﴾﴾ ''تو اب عذاب کا مزہ چکھو اُس کفر کے باعث جو تم کرتے رہے تھے۔''

آیت ۱۰۷ ﴿وَاَمَّا الَّذِیۡنَ ابۡیَضَّتۡ وُجُوۡہُہُمۡ فَفِیۡ رَحۡمَۃِ اللّٰہِ﴾ ''اور جن کے چہرے روشن اور تابناک ہوں گے تو وہ اللہ کی رحمت میں ہوں گے۔''

﴿ہُمۡ فِیۡہَا خٰلِدُوۡنَ﴿۱۰۷﴾﴾ ''وہ اسی میں ہمیشہ ہمیش رہیں گے۔''

آیت ۱۰۸ ﴿تِلۡکَ اٰیٰتُ اللّٰہِ نَتۡلُوۡہَا عَلَیۡکَ بِالۡحَقِّ﴾ ''یہ اللہ کی آیات ہیں جو ہم آپ کو پڑھ کر سنا رہے ہیں حق کے ساتھ۔''

﴿وَمَا اللّٰہُ یُرِیۡدُ ظُلۡمًا لِّلۡعٰلَمِیۡنَ﴿۱۰۸﴾﴾ ''اور اللہ تعالیٰ تو جہان والوں کے لیے ظلم کا ارادہ نہیں رکھتا۔''

لوگ اپنے اوپر خود ظلم کرتے ہیں' خود غلط راستے پر پڑتے ہیں اور پھر اس کی سزا انہیں دنیا اور آخرت میں بھگتنی پڑتی ہے۔

آیت ۱۰۹ ﴿وَلِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الۡاَرۡضِ﴾ ''اور اللہ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔''

﴿وَاِلَی اللّٰہِ تُرۡجَعُ الۡاُمُوۡرُ﴿۱۰۹﴾﴾ ''اور بالآخر سارے معاملات اللہ ہی کی طرف لوٹا دیے جائیں گے۔''

قرآن حکیم میں اہم مباحث کے بعد اکثر اس طرح کی آیات آتی ہیں۔ یہ گویا concluding remarks ہوتے ہیں۔

آیات ۱۱۰ تا ۱۲۰

﴿كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ
الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ؕ وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ مِنْهُمُ
الْمُؤْمِنُوْنَ وَاَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ اِلَّاۤ اَذًى ؕ وَاِنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ
يُوَلُّوْكُمُ الْاَدْبَارَ ۟ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَ مَا ثُقِفُوْۤا
اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَضُرِبَتْ
عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ
الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ لَيْسُوْا سَوَآءً ؕ مِنْ
اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُوْنَ ﴿۱۱۳﴾
يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ
وَيُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ وَمَا يَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ
فَلَنْ يُّكْفَرُوْهُ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۱۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ
اَمْوَالُهُمْ وَلَاۤ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ؕ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا
خٰلِدُوْنَ ﴿۱۱۶﴾ مَثَلُ مَا يُنْفِقُوْنَ فِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَثَلِ رِيْحٍ فِيْهَا صِرٌّ
اَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ فَاَهْلَكَتْهُ ؕ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ
اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۱۷﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا
يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا ؕ وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ ۚ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ۚۖ وَمَا
تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ ؕ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ هٰۤاَنْتُمْ
اُولَآءِ تُحِبُّوْنَهُمْ وَلَا يُحِبُّوْنَكُمْ وَتُؤْمِنُوْنَ بِالْكِتٰبِ كُلِّهٖ ۚ وَاِذَا لَقُوْكُمْ
قَالُوْۤا اٰمَنَّا ۚۖ وَاِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ ؕ قُلْ مُوْتُوْا
بِغَيْظِكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۱۱۹﴾ اِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ
تَسُؤْهُمْ ۫ وَاِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَّفْرَحُوْا بِهَا ؕ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا

یَضُرُّکُمۡ کَیۡدُھُمۡ شَیۡـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰہَ بِمَا یَعۡمَلُوۡنَ مُحِیۡطٌ ﴿۱۲۰﴾

آیت ۱۱۰ ﴿کُنۡتُمۡ خَیۡرَ اُمَّۃٍ اُخۡرِجَتۡ لِلنَّاسِ﴾ ''تم وہ بہترین اُمت ہو جسے لوگوں کے لیے برپا کیا گیا ہے''

یہاں اُمت مسلمہ کی غرضِ تأسیس بیان کی جا رہی ہے۔ یعنی یہ پوری اُمت مسلمہ اس مقصد کے لیے بنائی گئی تھی۔ یہ دوسری بات ہے کہ اُمت مسلمہ اپنا مقصد حیات بھول جائے۔ ایسی صورت میں اُمت میں سے جو بھی جاگ جائیں وہ دوسروں کو جگا کر ''اُمت کے اندر ایک اُمت''(Ummah within Ummah) بنائیں اور مذکورہ بالا تین کام کریں۔ لیکن حقیقت میں تو مجموعی طور پر اس اُمت مسلمہ کا فرض منصبی ہی یہی ہے۔

قبل ازیں ہم سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۴۳ میں اُمت مسلمہ کا فرضِ منصبی بایں الفاظ پڑھ چکے ہیں: ﴿وَ کَذٰلِکَ جَعَلۡنٰکُمۡ اُمَّۃً وَّسَطًا لِّتَکُوۡنُوۡا شُھَدَآءَ عَلَی النَّاسِ وَیَکُوۡنَ الرَّسُوۡلُ عَلَیۡکُمۡ شَھِیۡدًا ؕ﴾ سورۂ آل عمران کی آیت زیر مطالعہ اسی کے ہم وزن اور ہم پلہ آیت ہے۔ فرمایا: ''تم بہترین اُمت ہو جسے لوگوں کے لیے نکالا گیا ہے''۔ دنیا کی دیگر قومیں اپنے لیے زندہ رہتی ہیں۔ ان کے پیش نظر اپنی ترقی، اپنی بہتری، اپنی بہبود اور دنیا میں اپنی عزت وعظمت ہوتی ہے، لیکن تم وہ بہترین اُمت ہو جسے لوگوں کی راہنمائی کے لیے مبعوث کیا گیا ہے: ؎

ہم تو جیتے ہیں کہ دنیا میں ترا نام رہے
کہیں ممکن ہے کہ ساقی نہ رہے جام رہے!

مسلمان کی زندگی کا مقصد زیادہ سے زیادہ لوگوں کو ہدایت کی طرف بلانا اور لوگوں کو جہنم کی آگ سے بچانے کی کوشش کرنا ہے۔ تمہیں جینا ہے ان کے لیے، وہ جیتے ہیں اپنے لیے۔ تمہیں نکالا گیا ہے، برپا کیا گیا ہے لوگوں کے لیے۔

﴿تَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ﴾ ''تم حکم کرتے ہو نیکی کا''

﴿وَتَنۡھَوۡنَ عَنِ الۡمُنۡکَرِ﴾ ''اور تم روکتے ہو بدی سے''

﴿وَتُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰہِ ؕ﴾ ''اور تم ایمان رکھتے ہو اللہ پر۔''

نبی اکرم ﷺ کے دور میں پوری اُمت مسلمہ کی یہ کیفیت تھی۔ اور وہ جو پہلے بتایا گیا ہے کہ ایک جماعت وجود میں آئے (آیت ۱۰۴) وہ اُس وقت کے لیے ہے جب اُمت اپنے

مقصدِ وجود کو بھول گئی ہو۔ تو ظاہر بات ہے جن کو ہوش آ جائے وہ لوگوں کو جگائیں اور ایک جمعیت فراہم کریں۔

﴿وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ﴾ ''اور اگر اہل کتاب بھی ایمان لے آتے تو یہ ان کے حق میں بہتر تھا۔''

﴿مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ﴾ ''ان میں سے کچھ تو ایمان والے ہیں''

اس سے مراد وہ لوگ بھی ہو سکتے ہیں جو اُس وقت تک یہودیوں یا نصرانیوں میں سے ایمان لا چکے تھے' اور وہ بھی جن کے اندر بالقوہ (potentially) ایمان موجود تھا اور اللہ کو معلوم تھا کہ وہ کچھ عرصہ کے بعد ایمان لے آئیں گے۔

﴿وَاَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ﴾﴿١١٠﴾ ''لیکن ان کی اکثریت نافرمانوں پر مشتمل ہے۔''

وہی معاملہ جو آج اُمت مسلمہ کا ہو چکا ہے۔ آج اُمت کی اکثریت کا جو حال ہے وہ سب کو معلوم ہے۔

آیت ۱۱۱ ﴿لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ اِلَّآ اَذًى ؕ﴾ ''(اے مسلمانو!) یہ تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے سوائے تھوڑی سی کوفت کے۔''

یہ تمہارے لیے تھوڑی سی زبان درازی اور کوفت کا سبب تو بنتے رہیں گے' لیکن یہ بالفعل تمہیں کوئی ضرر نہیں پہنچا سکیں گے۔

﴿ وَاِنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ يُوَلُّوْكُمُ الْاَدْبَارَ ۟﴾ ''اور اگر یہ تم سے جنگ کریں گے تو پیٹھ دکھا دیں گے۔''

ان میں جرأت نہیں ہے' یہ بزدل ہیں' تمہارا مقابلہ نہیں کر سکیں گے۔

﴿ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ﴾﴿١١١﴾ ''پھر ان کی مدد نہیں کی جائے گی۔''

یہ ایسے بے بس ہوں گے کہ ان کو کہیں سے مدد بھی نہیں مل سکے گی۔

آیت ۱۱۲ ﴿ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَ مَا ثُقِفُوْٓا﴾ ''ان کے اوپر ذلت تھوپ دی گئی ہے جہاں کہیں بھی پائے جائیں''

﴿اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ﴾ ''سوائے یہ کہ (انہیں کسی وقت) اللہ کا کوئی سہارا حاصل ہو جائے یا لوگوں کی طرف سے کوئی سہارا مل جائے''

جیسے آج پوری عیسائی دنیا ان کا سہارا بنی ہوئی ہے۔ اسرائیل اپنے بل پر نہیں' بلکہ پوری عیسائی دنیا کی پشت پناہی پر قائم ہے۔ خلیج کی جنگ میں اتحادی افواج کے کمانڈر انچیف نے صاف کہہ دیا تھا کہ یہ ساری جنگ ہم نے اسرائیل کے تحفظ کے لیے لڑی ہے۔ گویا اس قدر خونریزی سے صرف اسرائیل کا تحفظ پیش نظر تھا۔

﴿وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ﴾ ''اور یہ اللہ تعالیٰ کے غضب کے مستحق ہو گئے''

﴿وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ﴾ ''اور ان کے اوپر کم ہمتی مسلط کر دی گئی۔''

﴿ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ﴾ ''یہ اس لیے ہوا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کرتے رہے''

﴿وَيَقْتُلُوْنَ الْاَنْبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ﴾ ''اور انبیاء کو ناحق قتل کرتے رہے۔''

﴿ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿١١٢﴾﴾ ''اور یہ اس لیے ہوا کہ انہوں نے نافرمانی کی روش اختیار کی اور حدود سے تجاوز کرتے رہے۔''

یاد رہے کہ یہ آیت تھوڑے سے لفظی فرق کے ساتھ سورۃ البقرۃ میں بھی گزر چکی ہے۔ (آیت ٦١)

آیت ۱۱۳ ﴿لَيْسُوْا سَوَآءً﴾ ''یہ سب کے سب برابر نہیں ہیں۔''

ان میں اچھے بھی ہیں' برے بھی ہیں۔

﴿مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُوْنَ ﴿١١٣﴾﴾ ''اہل کتاب میں ایسے لوگ بھی ہیں جو (سیدھے راستے پر) قائم ہیں' رات کے اوقات میں اللہ کی آیات کی تلاوت کرتے ہیں اور سجدہ کرتے ہیں۔''

رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں خاص طور پر عیسائی راہبوں کی ایک کثیر تعداد اِس کردار کی حامل تھی۔ ان ہی میں سے ایک بحیرہ راہب تھا جس نے بچپن میں آنحضور ﷺ کو پہچان لیا تھا۔ یہود میں بھی اِکا دُکا لوگ اس طرح کے باقی ہوں گے' لیکن اکثر و بیشتر یہود میں سے یہ کردار ختم ہو چکا تھا' البتہ عیسائیوں میں ایسے لوگ بکثرت موجود تھے۔

آیت ۱۱۴ ﴿يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ﴾ ''وہ ایمان رکھتے ہیں اللہ پر اور یومِ آخر پر''

﴿وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾ ''اور نیکی کا حکم دیتے ہیں اور

برائی سے روکتے ہیں''

﴿وَيُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ﴾ ''اور نیکیوں میں ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی کوشش کرتے ہیں۔''

﴿وَاُولٰٓئِكَ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ﴿۱۱۴﴾﴾ ''اور یقیناً یہ لوگ صالحین میں سے ہیں۔''

آیت ۱۱۵ ﴿وَمَا يَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُّكْفَرُوْهُ﴾ ''جو خیر بھی یہ کریں گے تو اس کی ناقدری نہیں کی جائے گی۔''

﴿وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِالْمُتَّقِيْنَ﴿۱۱۵﴾﴾ ''اور اللہ ایسے متقی لوگوں سے خوب واقف ہے۔''

آیت ۱۱۶ ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْئًا﴾ ''(اس کے برعکس) جو لوگ کفر پر اَڑ گئے ان کے کام نہیں آسکیں گے نہ ان کے اموال نہ ان کی اولاد اللہ سے بچانے میں کچھ بھی۔''

﴿وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ﴾ ''یہی لوگ جہنمی ہیں۔''

﴿هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ﴿۱۱۶﴾﴾ ''اسی میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔''

آیت ۱۱۷ ﴿مَثَلُ مَا يُنْفِقُوْنَ فِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ ''دنیا کی اس زندگی میں یہ لوگ جو بھی خرچ کرتے ہیں اس کی مثال ایسی ہے''

قریش مکہ اہل ایمان کے خلاف جو جنگی تیاریاں کر رہے تھے تو اس کے لیے مال خرچ کرتے تھے۔ فوج تیار کرنی ہے تو اس کے لیے اونٹ اور دیگر سواریوں کی ضرورت ہے' سامانِ حرب وضرب کی ضرورت ہے' تو ظاہر ہے اس کے لیے مال تو خرچ ہوگا۔ یہ اس انفاقِ مال کی طرف اشارہ ہے کہ یہ لوگ دنیا کی زندگی میں جو کچھ خرچ کرتے ہیں یا تو دین کی مخالفت کے لیے یا اپنے جی کو ذرا جھوٹی تسلی دینے کے لیے کرتے ہیں کہ ہم کچھ صدقہ وخیرات بھی کرتے ہیں' چاہے ہمارا کردار کتنا ہی گر گیا ہو۔ تو ان کے انفاق کی مثال ایسی ہے:

﴿كَمَثَلِ رِيْحٍ فِيْهَا صِرٌّ﴾ ''کہ جیسے ایک زوردار آندھی جس میں پالا ہو''

﴿اَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَاَهْلَكَتْهُ﴾ ''وہ کسی ایسی قوم کی کھیتی کو آ پڑے جس نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہو' پھر وہ اس (کھیتی) کو تباہ وبرباد اور تہس نہس

کر کے رکھ دے۔''

یعنی ان کی یہ نیکیاں، یہ انفاق، یہ جدوجہد اور دوڑ دھوپ سب کی سب بالکل ضائع ہو جانے والی ہے۔

﴿وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰـكِنْ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ﴾ ''اور ان پر اللہ نے کوئی ظلم نہیں کیا، بلکہ وہ اپنی جانوں پر خود ظلم ڈھا رہے ہیں۔''

آیت ۱۱۸ ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ﴾ ''اے اہل ایمان! اپنے سوا کسی کو اپنا رازدار نہ بناؤ''

یعنی جس شخص کے بارے میں اطمینان ہو کہ صاحب ایمان ہے، مسلمان ہے، اس کے علاوہ کسی اور شخص کو اپنا بھیدی اور محرمِ راز نہ بناؤ۔ یہودی ایک عرصے سے مدینہ میں رہتے تھے اور اوس و خزرج کے لوگوں کی ان سے دوستیاں تھیں، پرانے تعلقات اور روابط تھے۔ اس کی وجہ سے بعض اوقات سادہ لوح مسلمان اپنی سادگی میں راز کی باتیں بھی انہیں بتا دیتے تھے۔ اس سے انہیں روکا گیا۔

﴿لَا يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا﴾ ''وہ تمہارے لیے کسی خرابی میں کوئی کسر نہیں چھوڑتے۔''

﴿وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ﴾ ''انہیں پسند ہے وہ چیز جو تمہیں تکلیف اور مشقت میں ڈالے۔''

﴿قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ﴾ ''ان کی دشمنی ان کے منہ سے بھی ظاہر ہو چکی ہے۔''

ان کا کلام ایسا زہر آلود ہوتا ہے کہ اس سے اسلام اور مسلمانوں کی دشمنی ٹپکی پڑتی ہے۔ یہ اپنی زبانوں سے آتش برساتے ہیں۔

﴿وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ﴾ ''اور جو کچھ ان کے سینے چھپائے ہوئے ہیں وہ اس سے بھی بڑھ کر ہے۔''

جو کچھ ان کی زبانوں سے ظاہر ہوتا ہے وہ تو پھر بھی کم ہے، ان کے دلوں کے اندر دشمنی اور حسد کی جو آگ بھڑک رہی ہے وہ اس سے کہیں بڑھ کر ہے۔

﴿ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ﴾ ''ہم نے تمہارے لیے اپنی آیات کو واضح کر دیا ہے اگر تم عقل سے کام لو''۔

یعنی اپنے طرزِ عمل پر غور کرو اور اس سے باز آ جاؤ!

آیت ۱۱۹ ﴿هٰٓاَنْتُمْ اُولَآءِ تُحِبُّوْنَهُمْ﴾ ''یہ تم ہی ہو کہ ان کو دوست رکھتے ہو''

یہ تمہاری شرافت اور سادہ لوحی ہے کہ تم ان سے محبت کرتے ہو اور پرانے تعلقات اور دوستیوں کو نبھانا چاہتے ہو۔

﴿وَلَا يُحِبُّوْنَكُمْ﴾ ''لیکن (جان لو کہ) وہ تو تم سے محبت نہیں کرتے''

وہ تم سے دوستی نہیں رکھتے۔

﴿وَتُؤْمِنُوْنَ بِالْكِتٰبِ كُلِّهٖ﴾ ''حالانکہ (تمہاری شان یہ ہے کہ) تم پوری کتاب کو مانتے ہو۔''

تم تورات کو بھی مانتے ہو' انجیل کو بھی مانتے ہو۔ سورۃ النساء میں الفاظ آئے ہیں: ﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ ......﴾ (آیت ۴۴) ''کیا تم نے ان لوگوں کو دیکھا جنہیں کتاب کا ایک حصہ دیا گیا تھا......'' چنانچہ تمام آسمانی کتابیں اللہ تعالیٰ کی اس قدیم کتاب ''اُمُّ الکِتاب'' ہی کے حصے ہیں۔ اسی ''اُمُّ الکتاب'' میں سے پہلے تورات آئی' پھر انجیل آئی اور پھر یہ قرآن مجید آیا ہے' جو ہدایت کاملہ پر مشتمل ہے۔ تو تم تو پوری کی پوری کتاب کو مانتے ہو۔

﴿وَاِذَا لَقُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا﴾ ''اور جب یہ تم سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم بھی مؤمن ہیں۔''

﴿وَاِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ﴾ ''اور جب وہ خلوت میں ہوتے ہیں تو اب تم پر غصہ کی وجہ سے اپنی انگلیاں چباتے ہیں۔''

جب وہ دیکھتے ہیں کہ اب ان کی کچھ پیش نہیں جا رہی اور اسلام کا معاملہ اور آگے سے آگے بڑھتا جا رہا ہے تو غصے میں پیچ و تاب کھاتے ہیں اور اپنی انگلیاں چباتے ہیں۔

﴿قُلْ مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ﴾ ''ان سے کہو مر جاؤ اپنے اس غم و غصہ میں۔''

﴿اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝۱۱۹﴾ ''یقیناً اللہ تعالیٰ جو کچھ سینوں کے اندر مضمر ہے اس سے بھی واقف ہے۔''

آیت ۱۲۰ ﴿اِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ﴾ ''(اے مسلمانو!) اگر تمہیں کوئی بھلائی پہنچ جائے تو ان کو بری لگتی ہے۔''

اگر تمہیں کوئی کامیابی حاصل ہو جائے، کہیں فتح نصیب ہو جائے تو ان کو اس سے تکلیف پہنچتی ہے۔

﴿وَاِنۡ تُصِبۡكُمۡ سَيِّئَةٌ يَّفۡرَحُوۡا بِهَا﴾ ”اور اگر تمہیں کوئی تکلیف پہنچے تو اس سے وہ خوش ہوتے ہیں۔“

اگر تمہیں کوئی گزند پہنچ جائے، کہیں عارضی طور پر شکست ہو جائے، جیسے اُحد میں ہو گئی تھی، تو بڑے خوش ہوتے ہیں، شادیانے بجاتے ہیں۔

﴿وَاِنۡ تَصۡبِرُوۡا وَتَتَّقُوۡا لَا يَضُرُّكُمۡ كَيۡدُهُمۡ شَيۡـئًا﴾ ”لیکن اگر تم صبر کرتے رہو اور تقویٰ کی روش اختیار کیے رہو تو ان کی یہ ساری چالیں تمہیں کوئی مستقل نقصان نہیں پہنچا سکیں گی۔“

سورۃ البقرۃ میں صبر اور صلوٰۃ سے مدد لینے کی تلقین کی گئی تھی، یہاں صلوٰۃ کی جگہ لفظ تقویٰ آ گیا ہے کہ اگر تم یہ کرتے رہو گے تو پھر بالآخر ان کی ساری سازشیں ناکام ہوں گی۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعۡمَلُوۡنَ مُحِيۡطٌ ﴿۱۲۰﴾﴾ ”جو کچھ یہ کر رہے ہیں یقیناً اللہ تعالیٰ اُس کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔“

یہ اللہ تعالیٰ کے دائرے سے اور اس کی کھینچی ہوئی حد سے آگے نہیں نکل سکتے۔ یہ اس کے اندر اندر اُچھل کود کر رہے ہیں اور سازشیں کر رہے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ تمہیں یہ ضمانت دے رہا ہے کہ یہ تمہیں کوئی مستقل نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔ oo

کائنات کی سب سے بڑی حقیقت اور پاکستان

بانیٔ تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد حفظہ اللہ

کا ۵؍دسمبر ۲۰۰۸ء کا خطابِ جمعہ

بمقام قرآن اکیڈمی ماڈل ٹاؤن' لاہور

خطبۂ مسنونہ کے بعد:

اعوذ باللّٰہ من الشَّیطٰن الرَّجیم ۔ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

﴿وَاِذۡ قَالَتۡ اُمَّـۃٌ مِّنۡہُمۡ لِمَ تَعِظُوۡنَ قَوۡمَۨا ۙ اللّٰہُ مُہۡلِکُہُمۡ اَوۡ مُعَذِّبُہُمۡ عَذَابًا شَدِیۡدًا ؕ قَالُـوۡا مَعۡذِرَۃً اِلٰی رَبِّکُمۡ وَلَعَلَّہُمۡ یَتَّقُوۡنَ ﴿۱۶۴﴾﴾ (الاعراف)

﴿وَاِنۡ اَدۡرِیۡۤ اَقَرِیۡبٌ اَمۡ بَعِیۡدٌ مَّا تُوۡعَدُوۡنَ ﴿۱۰۹﴾﴾ (الانبیاء)

﴿وَاِنۡ اَدۡرِیۡ لَعَلَّہٗ فِتۡنَـۃٌ لَّـکُمۡ وَمَتَاعٌ اِلٰی حِیۡنٍ ﴿۱۱۱﴾﴾ (الانبیاء)

وَعَنۡ سلمان الۡفَارِسِیّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡہُ قَالَ قَالَ رَسُوۡلُ اللّٰہِ ﷺ : ((**لَا یَرُدُّ الۡقَضَاءَ اِلَّا الدُّعَاءُ وَلَا یَزِیۡدُ فِی الۡعُمُرِ اِلَّا الۡبِرُّ**)) (رواہ الترمذی)☆

اگر انسان اس بات پر غور کرے کہ انسانی زندگی کی سب سے یقینی شے جس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں' کون سی ہے' تو پتہ چلے گا کہ زندگی کی سب سے بڑی حقیقت جس کا کوئی انکار نہیں کر سکتا وہ موت ہے۔ اور یہ اس قدر یقینی ہے کہ وہ طبقہ جو کسی خدا' رسول' کتاب' ہدایت کو تسلیم نہیں کرتا وہ بھی اس کا انکاری نہیں۔ لیکن ہمارا حال یہ ہے کہ ہم اسے بھلائے رکھتے ہیں اور کبھی خیال بھی نہیں گزرتا کہ ہم نے مرنا بھی ہے۔ حتیٰ کہ کسی قریبی عزیز کا جنازہ پڑھتے ہوئے بھی ہمارا ذہن اس طرف نہیں جاتا کہ ممکن تھا اس کے

☆سنن الترمذی' ابواب القدر' باب ما جاء لا یردّ القدر الا الدّعاء۔

بجائے یہاں میرا لاشہ ہوتا۔ قبر میں اتارتے وقت احساسات کی دنیا میں کچھ نہ کچھ حرکت ضرور ہوتی ہے' لیکن واپس آنے کے بعد یہ بھی ختم ہو جاتی ہے۔

دنیا میں جس طرح انسانیت کے لیے موت ایک یقینی امر ہے' بالکل اسی طرح قرآن مجید نے بھی اس کے لیے لفظ ''یقین'' ہی استعمال کیا ہے۔ سورۃ الحجر کی آخری آیت میں رسول اللہ ﷺ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا گیا:

﴿وَاعۡبُدۡ رَبَّکَ حَتّٰی یَاۡتِیَکَ الۡیَقِیۡنُ﴾

''(اے نبیؐ!) آپ اپنے رب کی بندگی (اور اس کی اطاعت و فرمانبرداری) میں لگے رہیے یہاں تک کہ موت آ جائے۔''

جس طرح حیاتِ انسانی کی سب سے یقینی شے موت ہے اسی طرح اس کائنات کی سب سے یقینی شے قیامت ہے۔ کچھ عرصہ پہلے جب سائنس کی دنیا میں نیوٹن کے اصولوں کا بڑا چرچا تھا' اُس وقت ''قانون بقائے مادہ'' زبان زدِ عام تھا کہ مادہ (matter) کبھی بھی فنا نہیں ہو سکتا' یہ کائنات ہمیشہ سے ہے' ہمیشہ رہے گی۔ اس دور کو طبیعیات کا دورِ نیوٹن (Newtonian Era of Physics) کہا جاتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ نیوٹن ماڈرن فزکس کا باوا آدم ہے۔ ڈاکٹر مائیکل ہارٹ نے اپنی کتاب ''The 100'' میں دنیا کی سو کامیاب ترین شخصیتوں کا انتخاب کیا ہے جنہوں نے تاریخ کے دھارے کا رخ موڑا ہے۔ اپنی درجہ بندی میں وہ پہلے نمبر پر محمد رسول اللہ ﷺ کو اور دوسرے نمبر پر نیوٹن کو لایا ہے۔ موجودہ سائنسی ترقیاں' سائنسی اکتشافات' انکشافات اور ایجادات نیوٹن ہی کے مرہونِ منت ہیں۔ لیکن نیوٹونین فزکس میں بہت سی خامیاں تھیں جو بعد میں معلوم ہوئیں۔ آج کا دور آئن سٹائن ایرا کہلاتا ہے۔ اب مادے (matter) کے بارے میں سائنسی تصور یہ ہے کہ اسے کسی بھی وقت توانائی (energy) میں تبدیل کیا جا سکتا ہے۔ آج تسلیم کیا جاتا ہے کہ کائنات کا آغاز بھی ایک خاص وقت پر ہوا تھا اور ایک وقت میں جا کر یہ ختم ہو جائے گی۔ گویا سائنس آج وہی نقشہ پیش کر رہی ہے جو قرآن مجید نے بایں الفاظ پیش کیا ہے:

﴿يَوْمَ نَطْوِى السَّمَآءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ ط كَمَا بَدَاْنَا اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ ط﴾ (الانبیاء:١٠٤)

''(یاد کرو) جس دن ہم لپیٹ دیں گے آسمان کو جیسے طومار میں کاغذات لپیٹ دیے جاتے ہیں۔ جس طرح ہم نے تخلیق کی ابتدا کی تھی اسی طرح ہم اسے واپس لوٹائیں گے۔''

کائنات کی مثال ایک پھلجھڑی کی سی ہے' جس طریقے سے وہ پھیلتی ہے اسی طرح یہ کائنات اور اس کی گلیکسیز پھیلی ہیں اور دوبارہ اسی طریقے پر واپسی کا عمل ہوگا اور سب کچھ لپیٹ لیا جائے گا' جیسے کتابوں کے طومار لپیٹے جاتے تھے۔ یاد رہے کہ گزشتہ زمانوں میں کتابیں اس طرح مجلد نہیں ہوتی تھیں' بلکہ کتابوں کے طومار (scrolls) ہوتے تھے۔ کچھ عرصہ پہلے بحیرۂ مردار کے قریب' کچھ غاروں میں سے انجیل کے بہت پرانے نسخے برآمد ہوئے تھے' ان کو ''Dead Sea's Scrolls'' کہتے ہیں۔

بہرحال انسان کی انفرادی زندگی کی سب سے بڑی حقیقت موت اور اس کائنات کی سب سے بڑی حقیقت قیامت ہے۔ لیکن قبل قیامت کی ایک حقیقت اور بھی ہے جس پر ہر مسلمان کو یقین رکھنا چاہیے۔ وہ یہ کہ قیامت سے پہلے پوری دنیا میں حق کا بول بالا ہوگا۔ یہ وہ بات ہے جس پر دنیا کے اکثر مذاہب یقین رکھتے ہیں' اور خاص طور پر وہ تین مذاہب جنہیں ابراہیمی مذاہب کہا جاتا ہے (یہودیت' عیسائیت اور اسلام) ان میں یہ بات صراحت کے ساتھ موجود ہے کہ کائنات کے اختتام اور زمین پر قیامت برپا ہونے سے پہلے' اس پر اللہ کا دین ضرور غالب ہوگا۔ یہی بات حضرت مسیح علیہ السلام نے اپنے مخاطبین یہودیوں سے کہی تھی کہ ''توبہ کرلو' کہ اب آسمانی بادشاہت آیا چاہتی ہے!'' اور وہ آسمانی بادشاہت حضور ﷺ کا ورود ہی تھا۔ آپ ﷺ اور آپؐ کے ساتھیوں کی جدوجہد سے وہ آسمانی بادشاہت قائم ہوئی اور پھر بہت بڑے علاقے میں پھیل گئی' اگرچہ پوری دنیا میں نہیں پھیل سکی' لیکن اس کو بہرحال پھیلنا ہے۔ لہٰذا اس تیسری بات پر یقین ہونا چاہیے۔

احادیثِ صحیحہ اور قرآن مجید کا صغریٰ کبریٰ اس پر دلالت کرتا ہے کہ محمدٌ رسول اللہ ﷺ پوری نوعِ انسانی کے لیے مبعوث ہیں اور آپ کا مقصدِ بعثت غلبۂ دین ہے۔ تو

جب تک غلبہٗ دین پوری نوعِ انسانی پر نہ ہو تب تک آپؐ کا مقصدِ بعثت مکمل نہیں ہے۔ اسی کو اقبال نے کہا تھا: ؎

وقت فرصت ہے کہاں' کام ابھی باقی ہے
نورِ توحید کا اِتمام ابھی باقی ہے!

اور ؎

شب گریزاں ہو گی آخر جلوۂ خورشید سے
یہ چمن معمور ہو گا نغمۂ توحید سے!

ایک وقت آئے گا کہ پورا کرۂ ارضی نغمۂ توحید سے گونج جائے گا جو ابھی تو نہیں ہوا' لیکن ضرور ہو گا (ان شاء اللہ)۔

اخبارِ صحیحہ کے مطابق غلبۂ دین حق سے پہلے بڑی خوفناک جنگوں کا ایک سلسلہ ہے' اور یہ اخبار یہودیوں اور عیسائیوں کے ہاں بھی ہیں۔ بائبل کا آخری باب ''مکاشفاتِ یوحنا'' انہی پر مشتمل ہے۔ کتب احادیث میں ''ابواب الملاحم'' موجود ہیں' جن میں ان جنگوں کا تذکرہ ہے۔ ان میں سے ایک جنگ کو مکاشفاتِ یوحنا میں ''ہرمجدون'' (Armageddon) کہا گیا ہے۔ غالبًا اسی کو حضورﷺ نے **الملحمة العظمٰی** (عظیم ترین جنگ) کہا ہے۔ یہ بھی یقیناً ہو گی۔

اب سوال یہ ہے کہ یہ ملاحم کیوں ہوں گی؟ تو یہ اچھی طرح سمجھ لیجیے کہ دنیا میں قوموں پر اللہ کا عذاب دو طرح کا ہوتا ہے۔ ایک عذابِ اکبر اور دوسرا عذابِ اصغر۔ قرآن وحدیث کی روشنی میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ عذابِ اکبر یہودیوں پر اور عذابِ اصغر مسلمانوں پر آئے گا۔ میں نے آج سے ۲۰ سال پہلے ایک کتاب ''مسلمان اُمتوں کا ماضی حال اور مستقبل'' لکھی تھی' جو قبل ازیں نوائے وقت میں کالموں کی شکل میں شائع ہوئی تھی' جس میں میں نے ان تمام چیزوں کا تفصیل سے تذکرہ کیا ہے۔ ''عذابِ اکبر'' یہ ہے کہ کسی قوم کا نام ونشان مٹا دیا جائے۔ یہ صرف ان قوموں پر آتا تھا جن کی طرف رسول بھیجے گئے اور قوموں نے بحیثیت مجموعی ان کا انکار کر دیا۔ اسے عذابِ استیصال بھی

کہتے ہیں۔ جیسے فرمایا گیا: ﴿فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا﴾ (الانعام:٤٥) ’’پس جڑ کاٹ دی گئی ظالم قوم کی‘‘۔ ایک ہوتا ہے درخت کا ٹنا اور ایک ہے جڑ کا ٹنا۔ درخت کٹے گا تو شاید دوبارہ نکل آئے‘ لیکن جڑ سے اکھیڑا ہوا درخت دوبارہ نہیں نکل سکتا۔ اسی عذابِ اکبر کے لیے قرآن حکیم میں یہ الفاظ آئے ہیں: ﴿لَا يُرٰى اِلَّا مَسَاكِنُهُمْ﴾ (الاحقاف:٤٦) یعنی ان کے صرف گھر ہی دکھائی دیتے ہیں۔ یہ عذاب اب کسی قوم پر نہیں آ سکتا۔ اس لیے کہ اب کوئی رسول تو آئے گا نہیں۔ لیکن ایک قوم پر یہ عذاب تاریخ کے قرض کی حیثیت سے باقی ہے‘ اور وہ قومِ یہود ہے۔ ان کی طرف حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام رسول بنا کر بھیجے گئے۔ چاہیے تو یہ تھا کہ انہیں مانتے اور ان پر ایمان لاتے‘ لیکن انہوں نے آپؑ کو ولد الزنا‘ جادوگر اور واجب القتل قرار دیا اور اپنے بس پڑتے سولی پر چڑھا کر دم لیا۔ حالانکہ ہوا یہ کہ اللہ نے انہیں زندہ آسمان پر اٹھا لیا اور وہ دوبارہ آئیں گے۔ لیکن اس قوم پر وہ عذاب تاریخ کا قرض ہے‘ جو بہرحال ادا ہونا ہے اور خود حضرت مسیح علیہ السلام ہی کے ہاتھوں اس امت کا خاتمہ ہوگا‘ ان کا ایک ایک فرد قتل ہو جائے گا۔

جب میں نے یہ باتیں کہی تھیں تو امریکہ میں یہودیوں نے بڑا شور مچایا اور میرے خلاف ایک مہم بھی چلائی کہ اس کی کتابوں پر پابندی لگائی جائے اور اس کی ویب سائٹس وغیرہ بند کی جائیں‘ یہ سامی مذاہب کے خلاف ہے۔ یہاں پر بھی میرے ساتھ ڈائیلاگ کے لیے امریکہ وغیرہ سے جو پروفیسر آئے تھے ان میں ایک یہودی پروفیسر تھا‘ اس نے بہت ناراضگی کا اظہار کیا کہ آپ کہہ رہے ہیں کہ سارے یہودی قتل کر دیے جائیں گے! میں نے کہا ہاں آپ کے لیے یہ بات یقیناً پسندیدہ (palatable) نہیں ہے۔ امریکہ میں کرسچین زائنسٹس کا رسالہ ’’دی فلاڈلفیا ٹرمپٹ‘‘ کے نام سے نکلتا ہے۔ اس کے مدیر نے خود لکھا کہ اسّی فیصد یہودی قتل ہو جائیں گے۔ اس کو ہم نے یوں سمجھا ہے کہ ۲۰ فیصد وہ ہوں گے جو حضرت مسیحؑ کی آمد ثانی پر ایمان لے آئیں گے اور بچ جائیں گے‘ لیکن جو اَڑے رہیں گے وہ ختم کر دیے جائیں گے۔ لہٰذا یہ ’’عذاب الاکبر‘‘ یہودیوں کے سوا اب کسی قوم پر نہیں آ سکتا۔ لیکن دوسرے درجے میں اُمت مسلمہ پر جو عذاب نازل ہوگا یہ وہ

عذاب ہے جو یہودیوں پر بہت پہلے آیا تھا۔ان کے بارے میں قرآن کریم میں آیا ہے:

﴿وَضُرِبَتۡ عَلَیۡهِمُ الذِّلَّـةُ وَالۡمَسۡكَنَةُ وَبَآءُوۡ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ﴾ (البقرة:٦١)

''ان پر ذلت و مسکینی مسلط کر دی گئی اور وہ اللہ کے غضب کا شکار ہوئے۔''

حالانکہ ان کا خیال تھا کہ .We are the chosen people of the Lord ''ہم تو اللہ کی منتخب قوم ہیں''۔قرآن ان کا قول نقل کرتا ہے : ﴿نَحۡنُ اَبۡنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ ؕ﴾(المائدة:١٨) ''ہم تو اللہ کے بیٹوں کی مانند ہیں اور اس کے بڑے چہیتے ہیں''۔ان کی پیٹھ پر عذاب کے کئی کوڑے برسے۔کبھی بخت نصر اور کبھی آشوریوں کے ہاتھوں برباد ہوئے۔کبھی یونانیوں نے انہیں تہہ و بالا کیا تو کبھی رومیوں نے۔سب سے قریب تر جوان کی بربادی ہوئی وہ پچھلی صدی میں جرمنوں نے کی۔اس بے انتہا تباہی کے باوجود یہ قوم ختم نہیں ہوئی' کیونکہ وہ عذابِ اکبر نہیں تھے۔اسی طرح کے کئی عذاب ہم پر بھی آئے۔ہم پر صلیبیوں نے یلغار کی اور لاکھوں مسلمان قتل ہوئے۔یروشلم ہمارے ہاتھ سے اٹھاسی برس تک نکلا رہا' جس پر عیسائیوں کا قبضہ رہا اور وہاں مسلمانوں کی خون کی ندیاں بہہ گئیں۔اس کے علاوہ پورا بحیرۂ روم کا علاقہ بھی عیسائیوں کے قبضے میں رہا ہے۔اُس وقت تقریباً پورا یورپ ہمیں نیست و نابود کرنے کے لیے نکل کھڑا ہوا تھا۔یہ صلیبی جنگیں پونے دوسو برس تک جاری رہیں۔اس کے بعد پھر اس سے بھی بڑا عذاب تاتاریوں کی شکل میں آیا' جس میں کروڑوں مسلمان قتل ہوئے۔پھر یورپی اقوام ہمارے اوپر اس طرح مسلط ہوئیں جس طرح ان پر یونانی' رومی اور جرمن مسلط ہوئے تھے' اور پورا عالمِ اسلام ان کے زیرنگیں آ گیا' جسے آپ ''نوآبادیاتی دور'' (The Colonial Era) کہتے ہیں۔

اس دور کے اختتام نے ہمارے اوپر ایک بہت بڑی ذمہ داری عائد کی۔یہ اُمت مسلمہ کے لیے بہت بڑا امتحانی مرحلہ تھا۔پہلے تو ہم کہہ سکتے تھے کہ ہم کیا کریں' ہم تو مجبور ہیں' ہمیں انگریزوں' فرانسیسیوں' ولندیزیوں اور اطالویوں نے غلام بنالیا ہے اور ان کی طاقت کے آگے ہم بےبس اور لاچار ہیں۔لیکن اب آزادی دے کر اللہ دیکھے گا کہ تم کیا کرتے ہو؟ ﴿فَیَنۡظُرَ کَیۡفَ تَعۡمَلُوۡنَ﴾ لیکن ہم نے کیا کیا؟ جو مسلمان قوم یا ملک آزاد ہوا اُس نے اپنا قبلہ یا

تو واشنگٹن کو بنایا یا ماسکو کو۔ کسی نے بھی قرآن کو اپنا امام نہیں بنایا۔ ہم دعائیں تو مانگتے ہیں: اَللّٰھُمَّ اجْعَلْہُ لَنَا اِمَامًا وَّنُوْرًا وَّھُدًی وَرَحْمَۃً — لیکن قرآن کو اپنا امام بنانا' اس کے پیچھے چلنا' اس کے احکام کو نافذ کرنا' شریعت کی تنفیذ کرنا' اس کی تہذیب وتمدن کو اپنانا' اس کا دیا ہوا معاشی نظام قائم کرنا' ان تمام امور میں ہم صفر ہیں۔ اس لیے ہم بہت بڑے عذاب کے مستحق ہیں۔ یہ کڑوی بات میں آج نہیں ۱۹۸۰ء سے کہہ رہا ہوں۔

البتہ ایک بات واضح ہے کہ اُمت میں سب کا معاملہ ایک جیسا نہیں ہے۔ جیسے سورۂ آل عمران میں ارشاد ہوا: ﴿لَیْسُوْا سَوَآءً مِنْ اَھْلِ الْکِتٰبِ اُمَّۃٌ قَآئِمَۃٌ یَّتْلُوْنَ اٰیٰتِ اللّٰہِ اٰنَآءَ الَّیْلِ وَھُمْ یَسْجُدُوْنَ﴿۱۱۳﴾﴾ یعنی یہ اہل کتاب بھی سب ایک جیسے نہیں ہیں' ان میں بھی کچھ نہ کچھ نیک لوگ تھے' جو راتوں کو کھڑے رہنے والے اور عبادت کرنے والے تھے۔ عیسائیوں میں احبار اور رہبان بڑے نیک لوگ تھے اور اُس وقت بھی موجود تھے۔ لیکن بحیثیت مجموعی صورت حال وہی تھی جو آج ہماری ہے۔ ہم نے کہیں بھی اللہ کے دین کو قائم نہیں کیا' اگرچہ اسلام بحیثیت مذہب موجود ہے۔ ظاہر بات ہے کہ جرم پوری اُمت کا ہے' لیکن سب برابر نہیں ہیں۔ سب سے بڑے مجرم عرب مسلمان ہیں' کیونکہ انہیں اللہ نے جو مقام دیا وہ کسی اور کو نہیں دیا کہ محمد عربی ﷺ ان میں سے تھے ع ''یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا''۔ دوسری بات یہ کہ اللہ کی کتاب ان کی مادری زبان میں ہے۔ اسے سمجھنے کے لیے انہیں کوئی نئی زبان سیکھنے کی ضرورت نہیں۔ ہمیں تو پہلے صرف ونحو اور کئی علوم پڑھنے پڑتے ہیں تب کہیں جا کر اپنی آنکھ سے قرآن پڑھ سکتے ہیں' ورنہ ترجمہ پر ہی گزارا کریں گے' اور ظاہر بات ہے کہ ترجمہ تو الہامی شے نہیں ہے' لہٰذا وہ آپ کے ذہن وقلب کو متأثر (inspire) نہیں کر سکتا۔ ترجمہ تو سیکنڈ ہینڈ نالج ہے' کیونکہ ترجمہ آپ مترجم کی آنکھ سے پڑھ رہے ہیں' نہ کہ اپنی آنکھ سے۔ لہٰذا سب سے بڑا عذاب عربوں پر آنا ہے۔

جب گریٹر اسرائیل کا قیام عمل میں لایا جائے گا تو سب سے بڑی تباہی انہی عرب ملکوں پر آئے گی۔ یہ بات پہلے بیان ہو چکی ہے کہ عراق پر حملہ اصل میں گریٹر اسرائیل کی

طرف پہلا قدم ہے۔ ۲۰۰۶ء میں ایشیا کا جو نیا نقشہ تیار کیا گیا تھا' اس کے مطابق عراق کے تین حصے ہوں گے۔ ایک حصہ گریٹر کردستان کے ساتھ شامل کر دیا جائے گا جس میں ایران' عراق اور ترکی کا کردستان شامل ہوں گے۔ جیسے ہمارے ہاں پاکستان' افغانستان اور ایران کا بلوچستان ملا کر گریٹر بلوچستان بنے گا۔ اس کے علاوہ عراق کا کثیر حصہ گریٹر اسرائیل میں شامل ہو جائے گا اور باقی کچھ بچا کھچا عراق رہے گا۔ اس نقشے کا اگلا حصہ یہ ہے کہ سعودی عرب کے ٹکڑے ہوں گے۔ مدینہ اور مکہ کے شہروں پر مشتمل ایک چھوٹی سی ریاست بنا دی جائے گی جیسے روم میں ویٹی کن سٹی ہے جو عیسائیوں کا ایک بڑا مرکز ہے۔ یہ ایک چھوٹی سی علیحدہ حکومت ہے جس پر اطالوی حکومت کا قبضہ نہیں بلکہ وہاں کا فرماں روا پوپ ہے۔ اسی طرز کا گویا ایک مسلم ویٹی کن بنا دیا جائے گا۔

یہ نہ سمجھئے کہ یقیناً ایسا ہی ہوگا۔ یہ تو ان کے نقشے ہیں۔ ہوگا وہی جو اللہ چاہے گا' کیونکہ ازروئے الفاظِ قرآنی: ﴿وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ ۭ﴾ (الانفال: ۳۰) ''وہ اپنی سی چالیں چل رہے ہیں اور اللہ اپنی چال چل رہا ہے''۔ لیکن یقیناً انہیں اس میں ایک حد تک کامیابی ہوگی جس کی ہمیں خبریں دی گئی ہیں۔ گریٹر اسرائیل ایک دفعہ قائم ہوگا۔ اس میں سعودی عرب سے بھی شمالی حصہ لے کر شامل کیا جائے گا۔ مدینہ کے بارے میں ان کا دعویٰ ہے کہ یہ ہمارا وطن ہے اور وہ اس کو لینے کے خواب بھی دیکھتے ہیں' لیکن وہ مدینہ میں داخل نہیں ہو سکیں گے' کیونکہ حدیث میں صراحت ہے کہ دجال اور اس کی فوجیں مدینہ میں داخل نہیں ہو سکیں گی۔ باقی شام' عراق' فلسطین' لبنان' ترکی کا جنوبی حصہ اور مصر کا جزیرہ نمائے سینا اور دریائے نیل کے ڈیلٹا کا زرخیز علاقہ بھی گریٹر اسرائیل کے نقشے میں شامل ہے۔ جزیرہ نمائے سینا کو تو یہودی ابھی تک رو رہے ہیں کہ انہوں نے کیوں واپس کر دیا۔ انہوں نے ۱۹۶۷ء میں یہ علاقہ مصر سے چھین لیا تھا' جو بعد میں معاہدے کے تحت مصر کو واپس ہوا' لیکن اسے وہ واپس لیں گے۔ یہ بات حقیقت ہے کہ جب ایسا ہوگا تو بڑی تباہی آئے گی' جس کے سب سے زیادہ شکار مسلمانانِ عرب ہوں گے۔ اس وجہ سے کہ انہوں نے قرآن کو اپنا امام نہیں بنایا۔

عالمِ عجم کے بارے میں' میں ہمیشہ کہتا رہا ہوں کہ اس میں سب سے بڑے مجرم ہم مسلمانانِ پاکستان ہیں' کیونکہ ہم نے اسلام کے نام پر ایک تقسیم کرائی۔ ہم نے کہا کہ ہم یہاں اسلام کا نظام قائم کریں گے تو اللہ نے ہمیں معجزے کے طور پر ملک پاکستان عطا کر دیا۔ اب قمری حساب سے ۶۳ برس گزر چکے ہیں' لیکن کہاں ہے وہ اسلام؟ کہاں ہے وہ نظامِ عدلِ اجتماعی؟ لیکن پاکستان کے معاملے کو میں ابھی میزان میں معلق (Hanging in the balance) والا معاملہ سمجھتا ہوں۔ شاید اللہ تعالیٰ کوئی توفیق دے دے' کوئی معجزہ رونما ہو جائے۔ میرا یقین ہے کہ یہ قائم بھی معجزے کے طور پر ہوا تھا' جس پر میں نے تفصیلاً ایک کتاب ''استحکامِ پاکستان'' کے نام سے لکھی تھی۔ لہٰذا دوبارہ بھی کوئی معجزہ ہوسکتا ہے۔ وہ معجزہ یہ ہوگا کہ پوری قوم میں توبہ کی ایک کیفیت پیدا ہو جائے' اور یہ اللہ کی توفیق ہی سے ہوسکتی ہے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں خبر دی ہے کہ انسانوں کے دل اللہ کی دو انگلیوں کے مابین ہیں' وہ جدھر چاہتا ہے پھیر دیتا ہے۔ تو کوئی عجب نہیں کہ ایسا ہو جائے۔ اس اعتبار سے میں نے سورۃ الانبیاء کے آخر سے جو دو آیات تلاوت کی تھیں' قابل غور ہیں۔ رسول اللہ ﷺ سے کہا جا رہا ہے کہ آپ ان سے کہہ دیجیے:

﴿ وَاِنۡ اَدۡرِیۡۤ اَقَرِیۡبٌ اَمۡ بَعِیۡدٌ مَّا تُوۡعَدُوۡنَ﴿۱۰۹﴾ ﴾ (الانبیاء)

''(دیکھو لوگو!) مجھے یہ معلوم نہیں کہ جس (عذابِ خداوندی) کا تم سے وعدہ کیا جا رہا ہے وہ قریب آ گیا ہے یا دور ہے''۔

﴿وَاِنۡ اَدۡرِیۡ لَعَلَّہٗ فِتۡنَۃٌ لَّکُمۡ وَمَتَاعٌ اِلٰی حِیۡنٍ﴿۱۱۱﴾﴾

''اور مجھے نہیں معلوم' ہوسکتا ہے کہ یہ تمہارے لیے ایک فتنہ بن کر آ گیا ہو اور ابھی تمہیں مزید مہلت دے دی جائے''۔

اس حوالے سے ہم نہیں کہہ سکتے کہ ہم پر کوئی عذاب مسلط ہونے والا ہے یا ہم مہلت کے پیریڈ میں ہیں ۔ لیکن مجموعی طور پر پاکستان کا گھیراؤ کیا جا رہا ہے۔ صیہونیوں (Zionists) کے گٹھ جوڑ میں عیسائی صیہونیوں اور یہودی صیہونیوں کے ساتھ اب ہندو صیہونی بھی شامل ہو چکے ہیں' اور یہ سارے ہمیں گھیرے میں لے رہے ہیں۔ خصوصاً بھارت کی فوج جس طرح افغانستان میں آ رہی ہے اور وہاں بھارت نے

اپنے کتنے قونصل خانے کھولے ہیں‘ یہ سب کچھ کس لیے ہے؟ اس کے علاوہ جو کچھ بلوچستان‘ صوبہ سرحد اور اس سے آگے بڑھ کر کراچی میں ہو رہا ہے‘ یہ سارے معاملات آپ خود دیکھ سکتے ہیں۔ تو گویا باہر سے ہمارا گھیراؤ مکمل ہو چکا ہے۔ ممبئی حملوں نے ہماری پوزیشن ہمارے حکمرانوں کی وجہ سے مزید کمزور کر دی ہے اور ڈھٹائی سے کہا جا رہا ہے کہ یہ سارا کام مسلمانوں نے کیا ہے۔ ممبئی حملوں کے بعد وقتی طور پر جس طرح کا طوفان اور جوش اٹھا تھا‘ معلوم ہوتا تھا کہ شاید نائن الیون کی طرح جیسے یک دم امریکہ افغانستان پر چڑھ دوڑا تھا کہیں کوئی ایسا حادثہ نہ ہو جائے‘ لیکن اللہ کا شکر ہے کہ ایسا نہیں ہوا۔

تازہ رپورٹ کے مطابق اوباما کو بریفنگ دی گئی ہے کہ پاکستان کے نیوکلیئر بمز شدت پسندوں کے ہاتھ لگ سکتے ہیں۔ یعنی انہوں نے ہمارے ایٹمی دانت توڑنے کا کوئی نہ کوئی بہانہ بنانا ہے۔ اور ادھر ہمارے لوگوں نے باراک اوباما سے بڑی امیدیں باندھ رکھی تھیں۔ میں نے ایک مضمون بھی پڑھا‘ جس میں لکھا تھا کہ باراک کا لفظ اسلامی ہے‘ یہ برکت سے ہے‘ اس لیے کہ اس کے باپ کی زبان سواحلی تھی‘ جو کینیا کے ساحلی علاقے میں بولی جاتی ہے اور اس میں عربی کی بڑی آمیزش ہے۔ لہٰذا اس برکت والے نام باراک حسین سے کچھ لوگوں کو بڑی توقعات وابستہ ہو گئی تھیں۔ لیکن نظر یہ آ رہا ہے کہ جو بش کا ایجنڈا تھا اس کی کسی نہ کسی شکل میں تکمیل ہو گی‘ کیونکہ اصل میں اُس کی پالیسی بنانے والا کوئی ایک فرد تو نہیں تھا‘ وہاں تو پورے ادارے ہیں‘ بڑے بڑے تھنک ٹینکس ہیں جنہوں نے یہ پالیسی تشکیل دی۔ میں آپ کو بتا چکا ہوں کہ اوباما نے صدر منتخب ہوتے ہی اپنے اردگرد کس طرح کے لوگوں کو جمع کرنا شروع کر دیا ہے تو اس اعتبار سے حالات انتہائی خطرناک موڑ پر پہنچ چکے ہیں۔

دوسری طرف پاکستان کا اندرونی معاملہ بھی تشویش ناک ہے۔ سائنس کی دو اصطلاحات آپ نے سنی ہوں گی: (۱) مرکز گریز قوتیں (centrifugal forces) اور (۲) مرکز مائل قوتیں (centripetal forces) —— مقدم الذکر مرکز سے توڑنے والی قوتیں ہوتی ہیں‘ جن میں ہر ایک مرکز کو چھوڑ کر بھاگتی ہے۔ مؤخر الذکر وہ قوتیں ہوتی

ہیں جن کا رخ مرکز کی طرف ہو' جو مرکز کی طرف لانے والی ہوں۔ ہمارے پاس سینٹری پیٹل فورس یعنی مائل بہ مرکز اور مرکز دوست قوت صرف ایک ہے اور وہ ''اسلام'' ہے' اور اس کا حال یہ ہے کہ ع ہر چند کہیں کہ ہے نہیں ہے! اسلام بطور نظام ہمارے پاس نہیں ہے' البتہ بطور مذہب موجود ہے۔ لیکن بطور مذہب تو انڈیا میں بھی ہے' امریکہ میں بھی ہے۔ آج دنیا میں اسلام کو سب سے زیادہ تیزی سے پھیلنے والا مذہب مانا جا رہا ہے۔ لیکن مذہب ہے' دین نہیں۔ جبکہ محمد رسول اللہ ﷺ غلبۂ دین کے لیے بھیجے گئے تھے:

﴿هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَـهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ﴾

(التوبۃ:۳۳' الفتح:۲۸' الصف:۹)

سینٹری فیوگل فورسز (مرکز گریز قوتیں) آپ کے شمال میں بھی ہیں اور جنوب میں بھی۔ صوبہ سرحد میں اسفندیار ولی حکومت میں شامل ہے' جس کے دادا نے پاکستان میں دفن ہونا گوارا نہیں کیا۔ اس کے باپ ولی خان اور ان کی جماعت کا یہ پختہ موقف رہا ہے کہ پاکستان انگریز کی سازش کے نتیجے میں وجود میں آیا۔ ان کے ساتھ مولانا فضل الرحمٰن ہیں' جن کے والد مرحوم نے کہا تھا کہ اللہ کا شکر ہے ہم پاکستان بنانے کے گناہ میں شامل نہیں تھے۔ جنوب میں جب سے ایم کیو ایم (مہاجر قومی موومنٹ) وجود میں آئی ہے تب سے پاکستان کے نئے نقشے بن رہے ہیں۔ اگرچہ بعد میں انہوں نے اپنا رنگ بدلا ہے' لیکن اصلاً یہ قومیت کی بنیاد پر اٹھے تھے اور کراچی میں خوب فساد برپا کیا تھا' پٹھانوں اور پنجابیوں کو بے دریغ قتل کیا تھا' اور آج بھی ان میں وہی قومی تعصب بالکل اسی طرح باقی ہے۔ بلوچستان کے معاملہ سے سب لوگ آگاہ ہیں۔

اندرونی طور پر جو سینٹری پیٹل فورس (مرکزی قوت انضباط) ہو سکتی ہے اس کو ہم نے مضبوط نہیں کیا بلکہ کمزور سے کمزور تر کرتے چلے گئے اور اب نتائج آپ کے سامنے ہیں۔ اسلام کی معاشرتی اقدار کے خلاف مضامین لکھے جا رہے ہیں' عائلی قوانین میں تبدیلیاں کی جا رہی ہیں۔ یو این او میں ہونے والی بیجنگ پلس فائیو کانفرنس میں یہ بات طے ہوئی تھی کہ طلاق کے معاملے میں مرد اور عورت کو بالکل برابر کر دیا جائے' اور آپ

بھی وہی کر رہے ہیں کہ جیسے مرد طلاق دے سکتا ہے عورت بھی دے سکتی ہے۔ حالانکہ اسلام میں یہ ہے کہ عورت طلاق لے سکتی ہے' دے نہیں سکتی۔ شوہر سے کہے گی کہ تم نے مجھے جو مہر دیا تھا میں واپس کرتی ہوں مجھے آزاد کر دو۔ اگر ایسا ممکن نہیں تو وہ اپنے بزرگوں کو اور اس کے بزرگوں کو بیچ میں ڈالے یا عدالت میں جائے اور عدالت کو قائل کرے کہ ہمارا گزارا ممکن نہیں ہے' تو وہ ان کے مابین علیحدگی کرا دے گی۔ یعنی عورت خلع لے سکتی ہے' طلاق نہیں دے سکتی۔ اسلام میں یہ فرق رکھا گیا ہے۔ باقی مرد اور عورت انسان ہونے کی حیثیت سے برابر ہیں' کوئی اونچا نہیں' کوئی نیچا نہیں۔ اشرف المخلوقات ہونے کے اعتبار سے شرفِ انسانیت مرد و عورت دونوں کو حاصل ہے۔ لیکن جب ایک مرد اور ایک عورت مل کر ایک خاندان کی بنیاد ڈالتے ہیں تو اب وہ برابر نہیں ہیں' بلکہ خاندان کا سربراہ مرد ہے ﴿اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَی النِّسَاءِ﴾۔ کوئی بھی نظم ہو اس میں دو برابر کے سربراہ نہیں ہو سکتے۔ دونوں کا اختیار ایک ہی جیسا ہو تو گاڑی چل ہی نہیں سکتی۔ آپ کسی ادارے میں ڈائریکٹر جتنے چاہیں بنالیں' مینیجنگ ڈائریکٹر ایک ہی ہو گا۔ چنانچہ خاندان کے ادارے کے لیے اسلام نے جو نظام دیا ہے وہی فطری اور قابل عمل ہے کہ ذمہ داریوں کے اعتبار سے مقام و مرتبہ دیا جائے۔ یہی وراثت کا معاملہ ہے۔ عورت کے ذمے کچھ اور کام لگائے گئے ہیں' مردوں کی کچھ اور ذمہ داریاں ہیں۔ مرد ذمہ دار ہے' کفیل ہے' لہٰذا وراثت میں اسے دوہرا حصہ ملتا ہے' جبکہ لڑکی کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے' بلکہ وہ تو شادی کے وقت شوہر سے مہر لیتی ہے۔ تو یہ تمام چیزیں آپس میں مربوط اور ایک دوسرے کے ساتھ منطقی طور پر جڑی ہوئی ہیں' انہیں توڑا جائے گا تو پورا خاندانی نظام تباہ ہو جائے گا۔ اور وہ جو ہمارے خاندانی نظام کو تباہ کرنے پر تلے ہوئے ہیں انہوں نے عورت اور مرد کو برابر کر دیا ہے۔

اس سے پہلے جو حدود آرڈیننس میں تبدیلیاں کی گئی ہیں اس نے تو زنا اور بدکاری کا سرے سے خوف ہی ختم کر دیا ہے۔ قانون اس قدر پیچیدہ بنا دیا گیا ہے کہ جب چار چشم دید گواہ ہوں اور وہ مجسٹریٹ کے سامنے جا کر گواہی دیں تب پرچہ درج ہو گا' تحقیقات بعد میں

ہوں گی۔اس طرح زنا کے معاملے میں جو خوف ہوسکتا تھا وہ بھی ختم ہوگیا۔دوسرا بیڑا غرق آبادی کے کنٹرول کی مہم نے کر دیا کہ اب جو چاہو کرو‘ حمل وغیرہ کا بھی کوئی خطرہ نہیں ہے۔ امریکہ اور یورپ میں تو ٹین ایجز کو سکولوں میں باقاعدہ تعلیم دی جاتی ہے کہ جو چاہو کرو‘ لیکن ذرا احتیاط سے۔ یہ سب وہی کچھ ہے جس پر کفار ہماری تہذیب کو لے جانا چاہتے ہیں۔

اب یہ دونوں نقشے ایسے ہیں کہ ان میں وہی صورت حال پیدا ہوسکتی ہے‘ جس کے بارے میں کہا گیا:

﴿وَاِنْ اَدْرِیْ لَعَلَّهٗ فِتْنَةٌ لَّكُمْ وَمَتَاعٌ اِلٰى حِیْنٍ﴿۱۱۱﴾﴾ (الانبیاء)

ہوسکتا ہے کہ اللہ کی طرف سے پہلے کی طرح کوئی معجزہ آ جائے۔تو دعا ہے کہ ع ’’خدایا آں کرم بارِ دگر کن!‘‘ اللہ ہمیں ان تمام سختیوں سے گزار کر دوبارہ بھی کوئی معجزہ دکھا سکتا ہے‘ اس کا امکان بھی موجود ہے جس کی نفی نہیں کی جا سکتی۔ کیونکہ قدرتِ الٰہی ہے: ﴿یُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ﴾ ’’وہ مردے سے زندہ برآمد کرتا ہے‘‘۔عین ممکن ہے کہ ایک قوم مر چکی ہو مگر اس میں سے ایک زندہ قوم برآمد ہو جائے۔جیسا کہ میں نے وکلاء کی تحریک کے بارے میں کہا تھا کہ اس سے مجھے امید کی کرن نظر آئی کہ ابھی قوم میں کچھ جان ہے‘ ورنہ میں یہ سمجھ بیٹھا تھا کہ یہ قوم بالکل مر چکی ہے۔ ہمارے اس پڑھے لکھے طبقے اور تعلیم یافتہ لوگوں نے جو سختیاں جھیلی ہیں اور جس طریقے سے مصائب برداشت کر کے انہوں نے اس تحریک کو برقرار رکھا ہوا ہے‘ یہ بہت بڑا کارنامہ ہے۔تو اس سے کچھ نہ کچھ اُمید کی کرن پھوٹتی نظر آتی ہے۔اور وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ پاکستان اللہ کے حکم سے ہی بنا تھا اور اسی کے حکم سے قائم رہے گا‘ ان سے میں کہا کرتا ہوں کہ وہ اللہ کی سنت سے واقف نہیں ہیں‘ کیونکہ سزا بھی اللہ کی سنت ہے۔ وہ رسی دراز کرتا رہتا ہے اور اچانک یک دم کھینچ لیتا ہے۔شیطان لوگوں کو دھوکے میں رکھتا ہے کہ کچھ نہیں ہوتا‘ اللہ بڑا غفور بڑا رحم والا ہے۔اسے قرآن مجید نے یوں بیان کیا ہے: ﴿یٰۤاَیُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِیْمِ﴿۶﴾﴾ (الانفطار) ’’اے انسان! تجھے کس شے نے تیرے کریم رب کے بارے میں دھوکے میں رکھا ہوا ہے؟‘‘ یہ بجا ہے کہ وہ غفورٌ رحیم ہے‘ لیکن اس کی صفت منتقم بھی

ہے کہ سخت انتقام لینے والا ہے۔ بفحوائے الفاظِ قرآنی: ﴿اِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِيْنَ مُنْتَقِمُوْنَ﴾ (السجدۃ) ''ہم ان مجرموں سے انتقام لے کر رہیں گے''۔ وہ سزا بھی تو دیتا ہے۔ اُس نے جہنم کوئی ڈیکوریشن پیس کے طور پر تو نہیں بنائی ہے' بلکہ فرمایا: ﴿لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ﴾ (السجدۃ) ''یقیناً میں جہنم کو جنوں اور انسانوں سے بھر دوں گا''۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے بچائے۔

بہرحال پھر بھی ممکن ہے اللہ تعالیٰ ہمیں مہلت دے دے' اور یہ مہلت دو چیزوں سے حاصل کی جا سکتی ہے: (۱) توبہ اور (۲) دُعا۔ پہلے توبہ کی جائے پھر دعا۔ یاد رکھیں توبہ کے بغیر دُعا قبول نہیں ہوگی۔ پہلا کام توبہ ہے: ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْۤا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا﴾ (التحریم:۸) ''اے اہل ایمان! اللہ کی جناب میں توبہ کرو خالص توبہ''۔ کیا مطلب ہے؟ اپنی زندگیوں سے شریعت اور اخلاقیات کے خلاف اعمال مثلاً جھوٹ' دغا' فریب' دھوکہ' غبن' سود' بے پردگی' عریانی' فحاشی' عیاشی سب ختم کر دو اور یہ طے کر لو کہ آئندہ شریعت اور اخلاقیات کے خلاف کوئی کام نہیں کریں گے۔ کیونکہ شریعت کے ساتھ بنیادی اخلاقیات پر عمل بھی ضروری ہے' جس سے خصوصاً مسلمانانِ پاکستان دستبردار ہو چکے ہیں۔ جھوٹ اور وعدہ خلافی جتنا ہمارے ہاں ہے اس قدر آپ پوری دنیا میں کہیں نہیں دیکھیں گے اور یہ دنیا کی سب سے بڑی منافقت ہے۔ اس لیے پہلے توبہ کی جائے اور پھر دعا کی جائے۔ اسی لیے میں نے آپ کو ترمذی شریف کی حدیث ((لَا يَرُدُّ الْقَضَاءَ اِلَّا الدُّعَاءُ)) سنائی کہ اللہ کے فیصلے کو کبھی کبھی دعا بھی لوٹا دیتی ہے۔ لیکن اُس وقت جب آپ نے اللہ کے ساتھ اپنا معاملہ صحیح کر لیا ہو۔ جس طرح حضرت یونس علیہ السلام کی قوم پر اللہ کا فیصلہ آ چکا تھا اور عذاب کے آثار نمودار ہو چکے تھے' اُس وقت پوری قوم نے اجتماعی توبہ کی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں ایک مدت تک کے لیے مہلت دے دی اور عذاب جو ان کے سروں پر منڈلا رہا تھا' ہٹا لیا۔ چنانچہ توبہ کی جائے اور دعا کی جائے۔ اور اس توبہ کا ایک لازمی حصہ یہ ہونا چاہیے کہ اے اللہ اب میں اپنی تمام بہترین توانائیاں اور قوتیں' تمام صلاحیتیں اور وسائل تیرے دین کو قائم کرنے کے

لیے خرچ کروں گا۔ اوراس کے لیے آپ کسی ایسی جماعت میں شامل ہو جائیں جسے آپ سمجھیں کہ یہ صحیح ترین جماعت ہے جو واقعی اسلام کے لیے کام کر رہی ہے۔ حضرت عمرؓ کے قول کے مطابق ((لَا اِسْلَامَ اِلاَّ بِجَمَاعَةٍ))(۱) ''جماعت کے بغیر کوئی اسلام نہیں ہے''۔ اور مرفوع حدیث میں ہے:

((اَنَا آمُرُکُمْ بِخَمْسٍ، اَللّٰہُ اَمَرَنِیْ بِھِنَّ: بِالْجَمَاعَةِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ وَالْھِجْرَةِ وَالْجِھَادِ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ))(۲)

''میں تمہیں پانچ باتوں کا حکم دے رہا ہوں (اور یہ پانچ باتیں وہ ہیں) جن کا اللہ نے مجھے حکم دیا ہے: جماعت، سمع وطاعت، ہجرت اور جہاد فی سبیل اللہ''۔

اس لیے توبہ کا یہ لازمی جزو ہونا چاہیے کہ: ﴿اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾ (الانعام) ''بلاشبہ میری نماز، میری قربانی، میرا جینا اور مرنا صرف اللہ ربّ العالمین کے لیے ہے''۔ یہ فیصلہ کر لیجیے۔ اس کے بعد استقامت کی دُعا کیجیے کہ اے اللہ تو نے مجھے ہدایت دے دی، اب اس سے محروم نہ فرمانا۔ از روئے الفاظِ قرآنی: ﴿رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ ھَدَیْتَنَا وَھَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْکَ رَحْمَةً اِنَّکَ اَنْتَ الْوَھَّابُ﴾ (آل عمران) ''اے ہمارے رب! ہمیں سیدھی راہ پر لگانے کے بعد ہمارے دلوں میں کجی نہ پیدا کرنا اور ہمیں اپنے خزانۂ فیض سے رحمت عطا فرمانا کہ تو ہی فیاض حقیقی ہے''۔

آخری بات میں بڑے ڈرتے ڈرتے کہہ رہا ہوں کہ اگر خدانخواستہ، خاکم بدہن، پاکستان کے لیے بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے آخری سزا جس کے چرچے ہو رہے ہیں، کا فیصلہ ہوگیا ہو تو ہمیں کیا کرنا ہوگا۔ ایک تو اوپر کے آسمان ہیں اور ایک زمین کے آسمان بھی تو ہیں، مثلاً امریکہ، وائٹ ہاؤس، پینٹاگون، سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ، نیٹو ہیڈکوارٹرز۔ یہاں کیا ہو رہا ہے؟ ع ''تری بربادیوں کے مشورے ہیں آسمانوں میں!'' اس کی خبریں وہ مسلسل دیتے آ رہے ہیں۔ بہت سے لوگ کہتے ہیں کہ خواہ مخواہ ہمارے اندر بددلی پیدا

(۱) سنن الدارمی، المقدمة، باب فی ذھاب العلم۔

(۲) مسند احمد، مسند الشامیین، عن الحارث الاشعریؓ۔

کرنے کے لیے یہ پروپیگنڈا ہے۔ یاد رکھیے' یہ صرف پروپیگنڈا نہیں ہے' بلکہ ماضی کے وہ تمام نقشے جو انہوں نے بنائے تھے پورے ہوئے ہیں۔ ۱۸۹۷ء میں یہودیوں نے جو فیصلے کیے تھے ۲۰ برس کے بعد بالفور ڈیکلریشن کی شکل میں وہ سامنے آئے کہ یہودیوں کو فلسطین میں آباد کاری کا حق دے دیا گیا اور اس کے ٹھیک ۲۰ سال بعد ۱۹۴۸ء میں اسرائیل قائم ہو گیا۔ پچھلی صدی میں دنیا میں کوئی تصور کر سکتا تھا کہ یہودیوں کی حکومت قائم ہو گی؟ یقیناً اس کا کوئی امکان نہیں تھا' لیکن وہ ہوئی۔ یہ پوری دنیا میں منتشر تھے۔ یورپ میں ان کے خلاف شدید نفرت تھی' لیکن جس طرح رفتہ رفتہ انہوں نے وہاں پر قدم جما کر ان کو اپنے قابو میں لیا ہے اور جس طرح ان میں کیتھولکس اور پروٹسٹنٹس کی مذہبی تقسیم پیدا کی ہے' یہ ان کی کامیابی کی دلیل ہے۔ پروٹسٹنٹس کو آلۂ کار بنا کر سیکولرزم کو فروغ دیا اور اس کے بعد سود پر مبنی معیشت اور بینکوں کا نظام وہاں نافذ کیا۔ ع ''ایں بنوک ایں فکر چالاک یہود''۔ سب سے پہلا بینک انہوں نے انگلینڈ میں قائم کیا۔ اس طرح انہوں نے اپنے منصوبوں کو عملی شکل دی۔ اور اب ان کے جو نقشے ہیں وہ سامنے آ رہے ہیں۔

اس حوالے سے' خاکم بدہن' اگر خدانخواستہ یہ لکیر ختم ہو جائے تب بھی زمین تو ختم نہیں ہو جائے گی۔ اگر پاکستان نہ بنتا تو کیا ہمارے ذمے نہیں تھا کہ اللہ کے دین کو دنیا میں قائم کرنے کے لیے جدوجہد کرتے؟ وہ تو بحیثیت مسلمان ہمارا فرض ہے۔ کیا محمد رسول اللہ ﷺ عرب میں اکثریت میں تھے؟ وہ تو اقلیت میں بھی نہیں تھے' ایک فرد تھے۔ آپؐ تن تنہا کھڑے ہوئے اور قیامِ دین کے لیے جدوجہد شروع کر دی۔ جنوں نے ایک مرتبہ حضور ﷺ کی بات سنی تو اپنی قوم میں جا کر کہا: ﴿یٰـقَوۡمَنَاۤ اَجِیۡبُوۡا دَاعِیَ اللّٰہِ وَاٰمِنُوۡا بِہٖ ......﴾ (الاحقاف: ۳۱) ''اے ہماری قوم! اللہ کی طرف دعوت دینے والے کی پکار پر لبیک کہو اور اس پر ایمان لے آؤ......'' کوئی عجب نہیں کہ اللہ تعالیٰ کسی اور قوم کو اس کی توفیق عطا فرما دے۔ یہ جو اقبال نے الفاظ کہے ہیں:

تو نہ مٹ جائے گا ایران کے مٹ جانے سے
نشۂ مے کو تعلق نہیں پیمانے سے

اور: ؎

ہے عیاں فتنۂ تاتار کے افسانے سے
پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

تاتاریوں کے ہاتھوں کروڑوں مسلمان قتل ہوئے اور پھر وہی تاتاری مسلمان ہو گئے اور اُمت مسلمہ کی قیادت عربوں سے نکل کر ان کے ہاتھوں میں آ گئی۔ سورۂ محمد کی آخری آیت میں فرمایا گیا: ﴿وَاِنۡ تَتَوَلَّوۡا یَسۡتَبۡدِلۡ قَوۡمًا غَیۡرَکُمۡ﴾ ''اور اگر تم پیٹھ موڑ لو گے تو ہم تمہاری جگہ کسی اور قوم کو لے آئیں گے'' —— یہ بات اہل عرب سے کہی جا رہی ہے کہ جو مقام ہم نے تمہیں دیا ہے' اپنا رسول تم میں سے مبعوث کیا ہے: ﴿بَعَثَ فِی الۡاُمِّیّٖنَ رَسُوۡلًا مِّنۡہُمۡ﴾ تمہاری زبان میں اپنی کتاب نازل کی ہے' جو تمہیں مشن سونپا ہے' اگر تم نے اس سے پیٹھ دکھا دی تو تمہیں ہٹا کر ہم کسی اور قوم کو لے آئیں گے۔ اور پھر تیرہویں صدی عیسوی میں یہی ہوا۔ ۱۲۵۸ء میں بنو عباس کے آخری خلیفہ مستعصم باللہ کو اس کے محل سے نکال کر جانور کی کھال میں لپیٹ کر گلی میں ڈال دیا گیا اور اوپر سے گھوڑے دوڑا دیے گئے' جس سے بنو عباس کا آخری چراغ بھی گل ہو گیا۔ اس پر سعدی نے مرثیہ کہا کہ: ؎

آسماں را حق بود گر خوں ببارد بر زمیں　　بر زوالِ ملک مستعصم امیر المومنین

یعنی مستعصم باللہ کی حکومت کے زوال پر آسمان سے زمین پر خون بھی برسے تو آسمان کو اس کا حق ہے۔

اگر خدانخواستہ ایسا ہو جائے کہ پاکستان نہ رہے تو اسلام پھر بھی زندہ رہے گا' کیونکہ ہم مر سکتے ہیں اسلام نہیں مرے گا۔ اسلام کو تو رہنا ہے' جیسا کہ حضورﷺ نے فرمایا کہ میں آخری رسول ہوں اور تم آخری اُمت ہو۔ البتہ ہم سے قیادت چھین کر کسی اور کو دے دی جائے گی۔ کوئی عجب نہیں کہ ہمیں ہندوؤں سے پٹوا کر اسلام کا پرچم ان کے ہاتھوں میں تھما دیا جائے۔ آخر ہندوستان میں ۲۰ کروڑ سے زیادہ مسلمان ہیں۔ آپ غور کریں کہ اسی ہندوستان کی سرزمین سے شیخ احمد دیدات پیدا ہوئے تھے' جنہوں نے مناظروں میں پوری دنیا کے عیسائیوں کو شکست دی' اور آج اسی ہندوستان سے ڈاکٹر

ذاکرنائیک کھڑا ہوا ہے‘ جو پوری دنیا میں اسلام کا ڈنکا بجا رہا ہے۔ وہ موجودہ عیسائیت‘ یہودیت اور ہندومت کے خلاف دلائل ان کی کتابوں‘ ویدوں اور ان کے صحائف (scriptures) سے لا رہا ہے اور ثابت کر رہا ہے کہ تمہارا موجودہ دین غلط ہے‘ تمہارے ہاں تو محمدﷺ کی بشارتیں موجود ہیں‘ اپنی کتابوں کو کبھی پڑھ کے تو دیکھو۔ میں نے ۸۳۔۱۹۸۲ء میں مولانا علی میاںؒ سے کہا تھا کہ آپ ندوۃ العلماء لکھنؤ میں سنسکرت کی تعلیم کو لازمی کریں تاکہ آپ کے فارغ التحصیل علماء خود ویدوں کو پڑھ سکیں اور ہندو کے ذہن کو سمجھ سکیں کہ اس کی فکر‘ اس کی سوچ اور اس کے عقائد کیا ہیں؟ ان کے اعمال اور حقیقی نظریات میں کہیں تضاد تو نہیں؟ جیسا کہ آج اسلام کو کوئی تعزیوں کے جلوسوں سے یا صوفیاء کے مقبروں پر جوان کے عرس ہو رہے ہیں ان سے پہچانے گا تو کیا وہ صحیح اسلام کو پہچان پائے گا؟ چنانچہ ہندوستانی علماء کو یہ علم ہونا چاہیے کہ ہندو مذہب کا ذہن کیا ہے۔ انہوں نے اس پر آمادگی ظاہر کی لیکن اس تجویز کو عملی جامہ نہ پہنا سکے۔ دراصل ہمارے علماء کے لیے کسی بھی نئی بات کو قبول کرنا اتنا آسان نہیں ہوتا۔ لیکن آج ڈاکٹر ذاکر نائیک ان کے ویدوں سے ان کے خلاف دلائل دے رہے ہیں۔

اسی طرح دورۂ ترجمہ قرآن کی پذیرائی جس قدر بھارت میں ہو رہی ہے‘ وہ پاکستان میں نہیں ہے۔ پاکستان میں تو میرے چینلز بند کر دیے گئے ہیں اور بہت سے چینلز کا دروازہ مجھ پر بند ہے۔ خصوصاً پی ٹی وی میں تو میرا داخلہ بھی حرام ہے۔ ہمارے ہاں ایک اقلیتی گروہ اتنا زورآور ہے کہ وہ اپنی بات منوا کر رہتا ہے۔ انہوں نے ممبئی میں کچھ عرصے کے لیے ڈاکٹر ذاکر نائیک کا پروگرام بھی بند کرا دیا تھا‘ لیکن وہاں یہ پابندی برقرار نہیں رہی۔ اس لیے کہ ڈاکٹر ذاکر نے پچھلے دنوں کانگریس کے ایک اجلاس میں کہا تھا کہ ہندوستان میں مسلمان تعلیم حاصل نہ کرنے کی وجہ سے جاہل تھے جس کے سبب وہ ہمیشہ پیچھے رہے ہیں‘ اور آج اگر مسلمان آگے آئے ہیں تو انفارمیشن ٹیکنالوجی کے شعبہ میں ان کے لیے دروازے بند کر دیے گئے ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ہی ڈاکٹر ذاکر نے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ ہندوستان میں عدلیہ صحیح جگہ پر کھڑی ہے۔ کیا ہمارے ہاں

کسی مقدمے کی اس قدر شفاف انکوائری کا تصور ہے کہ ایک حاضر سروس کرنل کو مجرم قرار دیا جائے اور پھر پوری رپورٹ عوام کے سامنے پیش کر دی جائے۔ ہمارے ہاں تو کسی انکوائری کمیٹی کی رپورٹ کبھی سامنے آتی ہی نہیں۔ جنگ عظیم دوم میں جب بے انتہا تباہی ہوئی تو لوگ چرچل کے پاس آئے۔ چرچل نے کہا یہ بتاؤ کہ برطانیہ میں عدالتیں صحیح کام کر رہی ہیں؟ تو انہوں نے کہا کہ ہاں! اس نے کہا بس ٹھیک ہے' پھر یہ ملک قائم رہے گا۔ اسی طرح بھارت میں عدالتیں صحیح طور پر چل رہی ہیں۔

میں یہ بات واضح کر چکا ہوں کہ ہم زمین پرست' وطن پرست نہیں ہیں' بندے ماترم ہمارا نعرہ نہیں ہے۔ ہاں پاکستان ہمارا وطن ہے' ہمیں اس سے محبت ہے' ہم اس کا دفاع کریں گے۔ اس موقع پر یہ بات خوش آئند ہے کہ ہماری تمام اپوزیشن پارٹیز بھی آل پارٹیز کانفرنس کے اندر جمع ہوگئی ہیں اور یکجہتی کا ثبوت دیا ہے' لیکن یہ اسلام کے لیے ہونا چاہیے صرف ایک خطۂ زمین کے لیے نہیں۔ ہمارا اصل مقصود اسلام ہے' اور اسلام کی آواز کہیں بھی اُٹھ سکتی ہے۔ پچھلے دنوں ہمارے ایک بہت اہم ساتھی سید قاسم محمود صاحب جو بے شمار کتابوں کے مصنف ہیں' دہلی گئے تھے اور پھر یوپی کے مختلف شہروں میں بھی ان کا جانا ہوا۔ انہوں نے واپس آ کر مجھے خط لکھا جو ندائے خلافت میں شائع بھی ہو چکا ہے کہ وہاں تو گلی کوچوں میں آپ کا نام گونج رہا ہے اور آپ کے درس قرآن کا پروگرام اس درجہ مقبول ہوا ہے کہ آپ تصور نہیں کر سکتے۔ ممبئی میں ہونے والے میرے دس لیکچرز آپ نے کبھی پیس ٹی وی پر دیکھے ہوں تو آپ کو اندازہ ہوگا کہ ایک لیکچر میں ۱۵'۱۵ ہزار سے بھی زائد لوگوں نے شرکت کی۔ کیا پاکستان میں اتنے مجمع کا تصور بھی کیا جا سکتا ہے؟

قرآن مجید میں سورۃ الانعام میں نبی مکرمﷺ سے فرمایا گیا ہے: ﴿فَاِنۡ يَّكۡفُرۡ بِهَا هٰۤؤُلَآءِ فَقَدۡ وَكَّلۡنَا بِهَا قَوۡمًا لَّـيۡسُوۡا بِهَا بِكٰفِرِيۡنَ﴿۸۹﴾﴾(الانعام) ''پس اگر یہ (مکہ والے) اس قرآن کا انکار کرتے ہیں (اور اس کی قدر نہیں کرتے) تو ہم یہ (نعمت) کسی ایسی قوم کو سونپ دیں گے کہ وہ اس کی ناقدری نہیں کریں گے''۔ (آپؐ مایوس اور بددل نہ ہوں!) چنانچہ پھر کیسا معجزہ ہوا کہ مدینہ میں ابھی آپؐ کے قدم مبارک بھی نہیں پہنچے

تھے کہ وہاں انقلاب آ گیا۔ آپؐ کے دو ادنیٰ خادم اور ادنیٰ شاگرد سیدنا مصعب بن عمیر اور سیدنا عبداللہ بن اُمّ مکتوم رضی اللہ عنہما جو نابینا تھے وہاں گئے اور اوس وخزرج تقریباً دونوں قبیلے ایمان لے آئے' ان کی ساری چوٹی کی لیڈر شپ ایمان لے آئی اور وہ یثرب' مدینۃ النبیؐ اور دارالہجرت بن گیا۔ لہٰذا ہمیں تو اسلام کے ساتھ چمٹے رہنا ہے اور اس کے لیے اپنی جدوجہد کو جاری رکھنا ہے۔

اس ملک کے اندر بھی ہم ہر سطح پر دعوت دیتے رہیں گے' مشورے دیتے رہیں گے۔ البتہ لوگ یہ کہہ سکتے ہیں کہ تم کس قوم کو دعوت دے رہے ہو' کس کو ڈرا رہے ہو' یہ تو ختم ہونے والی ہے۔ اسی لیے میں نے آیت پڑھی تھی: ﴿وَاِذۡ قَالَتۡ اُمَّـۃٌ مِّنۡهُمۡ لِمَ تَعِظُوۡنَ قَوۡمَا ۨ اللّٰهُ مُهۡلِكُهُمۡ اَوۡ مُعَذِّبُهُمۡ عَذَابًا شَدِيۡدًا ؕ﴾ ''اور جب ان میں سے ایک گروہ نے (نہی عن المنکر کرنے والوں سے) کہا کہ تم ایسے لوگوں کو کیوں نصیحت کر رہے ہو جن کو اللہ ہلاک کرنے والا یا سخت عذاب دینے والا ہے؟'' ﴿قَالُـوۡا مَعۡذِرَةً اِلٰى رَبِّكُمۡ وَلَعَلَّهُمۡ يَتَّقُوۡنَ﴿۱۶۴﴾﴾ (الاعراف) ''تو انہوں نے کہا کہ تمہارے رب کے حضور معذرت پیش کرنے کے لیے' اور اس لیے بھی کہ شاید یہ لوگ باز آ جائیں''۔ ہم اپنے رب کے حضور میں جا کر معذرت تو پیش کر سکیں گے کہ اے اللہ! ہم تیرے دین کے ساتھ چمٹے رہے' ہم نے اپنے آپ کو اس سے وابستہ کیے رکھا اور اس کام کے لیے اپنی بہترین صلاحیتیں' قوتیں اور توانائیاں صرف کیں۔

میں نے آغازِ خطاب میں کہا تھا کہ لفظ ''یقین'' قرآن میں موت اور قیامت کے بارے میں آیا ہے۔ جان لیجیے کہ یہی لفظ قرآن کے بارے میں دو مرتبہ آیا ہے: ﴿اِنَّ هٰذَا لَهُوَ حَقُّ الۡيَقِيۡنِ﴿۹۵﴾﴾ (الواقعة) اور ﴿وَاِنَّـهٗ لَحَقُّ الۡيَقِيۡنِ﴿۵۱﴾﴾ (الحاقة)۔ چنانچہ جو یقین کا حق دار ہے وہ قرآن ہے۔ تو کیا پتا یہ جو یقین اللہ کی کتاب کی شکل میں ہے' اس سے کسی اور جگہ پر انقلاب آ جائے۔ یہ بات کوئی بعید نہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کے فیصلے ہوتے ہیں کہ وہ کس قوم کو اپنے دین کی سربلندی کے لیے چن لیتا ہے۔

اقول قولی هذا واستغفر اللّٰہ لی ولکم ولسائر المسلمین والمسلمات○○

داعیٔ حق اور نمود و نمائش کا مرض

عتیق الرحمٰن صدیقی

اسلام کو دوسروں تک اس انداز میں پہنچانا کہ شہادتِ حق کا منشاء بحسن وخوبی پورے اہتمام کے ساتھ اپنی تکمیل کو پہنچ سکے‘ اس سلسلہ میں حضور نبی کریمﷺ کا اُسوۂ حسنہ ہمارے لیے نشانِ راہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ تمام تر منصوبہ بندی کے لیے اسی راہ کے خدوخال کی پیروی ناگزیر ہے۔ آپﷺ نے تبشیر‘ انذار‘ تلقین اور پند و موعظت کا اسلوب اپنا کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ایسا معیاری گروہ تیار کیا جس کے قول و عمل میں یکسانیت اور ہم آہنگی ضوفشاں تھی اور حضور نبی کریمﷺ کا اپنا عمل ان کے لیے ہر لحظہ چشم کشا تھا۔

شہادتِ حق کے دو پہلو ہیں‘ ایک کا تعلق قول سے ہے اور دوسرا عمل سے تعلق رکھتا ہے۔ دونوں کا انداز‘ اسلوب اور منہج یکساں بھی ہے اور مختلف بھی۔ دونوں نہایت محتاط طرزِ عمل اپنائے جانے کے متقاضی ہیں۔ زندگی کے مختلف شعبوں کے بارے میں اسلام نے جو تفصیلی احکام دیے ہیں‘ جہاں ان کا مکمل فہم و ادراک ضروری ہے وہاں ان کے پیش کیے جانے کے لیے بھی فقاہت اور حکمت ضروری ہے۔ ایک دل نشیں اور مؤثر اسلوبِ اظہار ہی ذہنوں کو اپیل کرنے میں کامیاب ہوسکتا ہے۔ قومی غرور و تفاخر اور مجادلہ و مباحثہ بگاڑ و فساد کا سبب تو بنتا ہے مگر بناؤ اور سلجھاؤ کا باعث نہیں ہوسکتا۔ شہادتِ حق ایک مسلسل عمل ہے۔ ﴿وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ﴾ (آل عمران ۱۰۲) گویا عمر بھر کا معاملہ ہے۔ پیہم تگ و تاز‘ ریاضت اور جدوجہد کے ساتھ محبت اور خیرخواہی کے جذبے اور اخلاص و للّٰہیت کے ساتھ آگے بڑھتے رہنے ہی میں کامرانی کا حصول ممکن ہے۔ شیطان جس طرح ایک عام مسلمان پر مختلف حیلوں‘ بہانوں اور چالوں سے حملہ آور ہوتا ہے اس سے بڑھ کر ایک داعیٔ حق کو اپنے جال میں پھانسنے کے لیے کوشش میں رہتا ہے۔ شیطان کے ان حملوں سے اللہ تعالیٰ سے توفیق کی مسلسل طلب اور مؤمنانہ فراست سے ہی بچا جا سکتا ہے۔ دین کی اقامت اور غلبہ کے لیے کام کرنے والی

تحریکوں اور ان کے کارکنوں کو تو شیطان کے بچھائے ہوئے جال کو گہرے تفقہ کے ساتھ بھانپ لینا چاہیے اور چوکنے ہو کر اس کی دسیسہ کاریوں کے تار و پود بکھیر دینے چاہئیں۔

یہ کام ایسی اساسی نوعیت کا ہے کہ اخلاص وللّٰہیت کے بغیر اس میں کامیابی ممکن نہیں۔ اس لیے کہ تمام عقائد واعمال کی اللہ کے ہاں مقبولیت کا دار و مدار اخلاص پر ہے۔ اخلاص نام ہے اس بات کا کہ تمام عقائد وعبادات اور طاعات کو شرک وکفر' نفاق اور ہر طرح کی دُنیوی اغراض کی آمیزشوں' ملاوٹوں اور کھوٹ سے پاک صاف کر دیا جائے۔ یہ ایمان کی روح اور مقصدِ عزیز تک پہنچانے کا ایک بڑا ذریعہ ہے۔ دین کو اللہ کے لیے خالص کر کے اس کی عبادت کرنے کا مفہوم یہ ہے کہ آدمی اللہ کے ساتھ کسی دوسرے کی بندگی شامل نہ کرے' اس کے احکام واوامر کی اطاعت اور اس کی پرستش شرک وریا سے پاک ہو۔ اللہ کے لیے ایمان کو خالص کر دینے کے بعد اس سے عمل صالح کا بیج پھوٹتا ہے۔ اس لیے کہ ایمان اسلام کے بنیادی اصولوں پر کامل یقین رکھنے کا نام ہے اور عمل صالح ان اصولوں کے مطابق عمل کرنے سے عبارت ہے۔ اخلاص کے وجود کے برقرار رہنے کا انحصار اس پر ہے کہ اعمالِ صالحہ کو ریا اور سُمعہ سے بچایا جائے کہ اس کے لیے سب سے زیادہ تباہ کن چیز یہی ہے۔

ریا کیا ہے؟ ریا یہ ہے کہ آدمی نمود ونمائش کے لیے کام کرے۔ یعنی کام تو خیر و بھلائی کا کرے لیکن مقصد یہ ہو کہ لوگ اسے دیکھیں' کام کی بھی تعریف کریں اور اس شخص کا احترام بجا لائیں' اور سُمعہ کا مفہوم یہ ہے کہ آدمی نیکی کا کام اس لیے کرے کہ اسے نیک نامی حاصل ہو اور اس کی شہرت اور جاہ ومنزلت میں اضافہ ہو۔ بظاہر عبادت واطاعت اللہ کے لیے ہو مگر قصد و ارادہ میں نمود ونمائش کا عنصر شامل ہو۔ یہی وہ عبادت واطاعت ہے جو ثواب اور اجر کا باعث بننے کے بجائے اللہ کی گرفت اور غضب کا موجب بن جاتی ہے۔

خودنمائی کی جبلت انسان میں موجود ہے۔ یہ حد کے اندر رہے تو خرابیاں کم پیدا ہوتی ہیں اور حدود سے تجاوز کرنے لگے تو اس سے بے شمار مفاسد جنم لیتے ہیں۔ اسلام نے اس کے اظہار کے لیے جائز راستے تجویز کیے ہیں اور نیت کی پاکیزگی پر زور دیا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ عمل نیت سے ہے۔ گویا اعمال کی راستی وناراستی کا مدار غرض ونیت پر ہے۔ ریا اس نیت یعنی اعمال کی غرض وغایت کی بنیاد ہی کو کھوکھلا کر دیتی ہے' جس سے ساری عمارت ہی بودی اور کمزور ہو جاتی ہے۔ نمائش سے مقصود ہی یہ ہوتا ہے کہ آدمی بھلائی کا کام کر کے لوگوں میں اپنے

بارے میں حسن ظن پیدا کرے تاکہ لوگ ازخود اس کی عظمت کے قائل ہو جائیں۔

غرور بھی اسی جذب وشوق کا کرشمہ ہے۔ قرآن کریم نے دکھاوے اور غرور دونوں کو ناپسند فرمایا۔ جہاد میں مسلمانوں کو حکم ہوا کہ ان کی لڑائی کا مقصد محض طاقت کا غرور اور اپنی قوت کی نمائش نہ ہو۔ غزوۂ بدر کے موقع پر مشرکین مکہ نے فخر ومباہات کا جو طرزِ عمل اختیار کیا اس پر فرمایا: ﴿وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ خَرَجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرًا وَّرِئَاءَ النَّاسِ﴾ (الانفال:٤٧) ''اور ان لوگوں کے رنگ ڈھنگ نہ اختیار کرو جو اپنے گھروں سے اِتراتے اور لوگوں کو اپنی شان دکھاتے ہوئے نکلے''۔

یہ جذبہ ہے تو فطری، مگر اس کے اظہار کے ذرائع جدا جدا ہوتے ہیں۔ قوت واقتدار کی عشوہ طرازیاں اپنی ہیں اور دولت وثروت کی اپنی۔ آرٹسٹوں، فنکاروں اور دانشوروں کی ریت اپنی ہوتی ہے اور منبر ومحراب کے وارثوں اور سجادہ نشینوں کی فسوں کاریوں اور عجوبہ طرازیوں کا انداز اپنا ہوتا ہے۔ لیکن اہل دین اور داعیانِ حق کی شان نرالی ہوتی ہے۔ ان کا مشن ارفع واعلیٰ اور مقدس ہونے کی بنا پر اخلاص وللّٰہیت کا عکاس ہو تو نتائج وثمرات کے اعتبار سے خوش کن ہوتا ہے، اس میں ریاکاری کی آمیزش ہو جائے اور دین کے داعی نفس کو الٰہ بنانے پر اتر آئیں تو اس کا نتیجہ بھیانک ہوتا ہے۔ ماضی میں اسلامی تحریکیں زوال پذیر ہوئیں تو اس کی ایک بڑی وجہ خود بینی اور خود آرائی رہی ہے، سیادت وقیادت کے جھگڑے اور مناصب کی تمنا، عہدوں کے لیے درونِ خانہ طبع آزمائیاں، القاب وآداب کی طلب، تقریروں میں تصنع، جرائد ورسائل میں جلی سرخیوں میں نام آنے کی آرزو، تصویریں کھنچوانے کا اہتمام، لباس کی مخصوص نوعیت، ریاکارانہ زہد وانکسار، درویشی وخدارسیدگی کا اظہار، یہ سب نمود ونمائش اور خود نمائی کے مختلف مظاہر ہیں، جو اعلیٰ تر مقاصد کے حصول میں سنگ راہ بن جاتے ہیں۔

حضرت طاؤسؒ جناب ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے کہا یارسول اللہؐ! میں میدان جہاد میں کھڑا ہوتا ہوں اس سے اللہ کی رضا چاہتا ہوں، ساتھ یہ بھی پسند کرتا ہوں کہ میدانِ جہاد میں میرے مقام اور میری جدوجہد کو لوگ دیکھیں۔ آپؐ نے اس کا کوئی جواب نہ دیا، یہاں تک کہ آیت ﴿فَمَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ رَبِّهٖ﴾ نازل ہوئی''۔ (بحوالہ تفسیر مظہری)

اس حدیث سے اس حدیثِ قدسی کی تائید ہوتی ہے جو حضرت ابوہریرہ ؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

((مَنْ عَمِلَ عَمَلًا اَشْرَكَ فِيْهِ مَعِيَ غَيْرِيْ تَرَكْتُهٗ وَشِرْكَهٗ))

''جس نے کوئی عمل کیا اوراس میں میرے ساتھ کسی دوسرے کوشریک کیا تو میں اس کو اس کے شرک کے ساتھ چھوڑ دوں گا۔''

اور ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ:

((فَاَنَا مِنْهُ بَرِیٌٔ وَھُوَ لِلَّذِیْ اَشْرَکَ))[۲]

''پس میں اس سے بری ہوں' وہ عمل اسی کے لیے ہے جس کے لیے وہ کیا گیا۔''

گویا جس نیک کام میں غرض شامل کر دی جائے کہ لوگ اسے دیکھیں اور تعریف کریں تو اس میں اخلاص باقی نہیں رہتا بلکہ ریا داخل ہو جاتی ہے' جسے صحیح حدیث میں شرک قرار دیا گیا ہے۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ ''حواریوں نے حضرت عیسٰیؑ سے پوچھا: یاروح اللہ' اللہ کے لیے مخلص کون ہے؟ انہوں نے جواب دیا: جو صرف اللہ کے لیے عمل کرے' یہاں تک کہ وہ یہ بھی پسند نہ کرے کہ لوگ اس عمل پر اس کی تعریف کریں''۔ (تفسیر مظہری بحوالہ ابن شیبہ واحمد)

ریا وسُمعہ یعنی نمود ونمائش اور شہرت کی طلب کے بارے میں ایک موقع پر رسول اللہﷺ نے ارشاد فرمایا:

((مَنْ سَمَّعَ سَمَّعَ اللّٰهُ بِهٖ وَمَنْ یُرَائِیْ یُرَائِی اللّٰهُ بِهٖ))[۳]

''جو شخص (نیکی میں) شہرت چاہے گا اللہ تعالیٰ اسے رسوا کن تشہیر سے دوچار کرے گا اور جو دکھاوے کے لیے نیکی کرے گا اللہ اس کی نیت لوگوں کے سامنے کھول دے گا۔''

اس حدیث میں نمود ونمائش اور شہرت طلبی کی یہ سزا بیان کی گئی ہے کہ ریاکار کی نیت اور ارادے کا پردہ فاش کر دیا جائے گا۔ دنیا میں اگر اس کے قصد وارادہ کا پردہ چاک نہ بھی ہوا تو قیامت کے بھرے میدان میں ضرور فاش ہو گا۔

عربوں کے فضائل اخلاق میں داد ودہش نمایاں حیثیت رکھتی تھی۔ وہ اسے نیک نامی اور شہرت وعزت کا ذریعہ سمجھتے تھے اور محض نام ونمود کے لیے اپنا تمام تر سرمایہ لٹا دیتے تھے۔ اس لیے قرآن وحدیث میں زکوٰۃ کے سوا عام صدقہ وخیرات مخفی طور پر مستحقین کو دینے کو فضیلت دی گئی تاکہ اس میں ریاکاری کی آمیزش نہ ہونے پائے۔ فرمایا گیا:

﴿وَاِنْ تُخْفُوْھَا وَتُؤْتُوْھَا الْفُقَرَاءَ فَھُوَ خَیْرٌ لَّکُمْ﴾ (البقرۃ: ۲۷۱)

''اور اگر تم ان کو چھپاؤ اور چپکے سے ضرورت مندوں کو دے دو تو یہ تمہارے حق میں زیادہ بہتر ہے'' (کہ اس میں نام ونمود کا دخل نہیں ہونے پاتا)۔

شجاعت بھی عربوں کے ہاں نام ونمود کی چیز تھی۔ اسلام نے جہاد کے تصور کو واضح کر کے تمام اغراضِ فاسدہ کی بیخ کنی فرمائی۔ چنانچہ ایک شخص نے رسول اللہﷺ سے دریافت کیا کہ ایک شخص مالِ غنیمت کے لیے‘ ایک شخص شہرت کے لیے اور ایک شخص شجاعت کے لیے لڑتا ہے تو ان میں سے کس کا جہاد اللہ کی راہ میں ہے؟ فرمایا: **((مَنْ قَاتَلَ لِتَكُوْنَ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا فَهُوَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ))** ''جو شخص اس لیے لڑتا ہے کہ اللہ کا کلمہ ہی سر بلند ہو وہ اللہ کی راہ میں جہاد کرتا ہے''۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپؐ سے سوال کیا گیا کہ ایک آدمی اظہارِ شجاعت کے لیے لڑتا ہے‘ ایک شخص قومی حمیت سے اور ایک شخص ریاکاری سے جہاد کرتا ہے تو کس کا جہاد اللہ کی راہ میں ہے تو آپؐ نے وہی جواب دیا۔(٤)

اسلام میں علم کی فضیلت مسلّمہ ہے لیکن اگر اس میں ریاکاری کی آمیزش پیدا ہو جائے تو وہ نہایت مہلک اور تباہ کن ہے۔ نبی اکرمﷺ نے اس کے برے نتائج نہایت مؤثر انداز میں واضح کیے۔ فرمایا: ''سب سے پہلے قیامت کے دن اس شخص کے خلاف فیصلہ کیا جائے گا جس نے شہادت حاصل کی۔ یہ شخص اللہ تعالیٰ کے سامنے لایا جائے گا اور وہ اس پر احسانات جتا کر پوچھے گا کہ تم نے ان سے کیا کام لیا؟ وہ کہے گا کہ پروردگار! میں تیری راہ میں لڑا اور شہید ہوا۔ اللہ تعالیٰ کہے گا کہ جھوٹ کہتے ہو‘ تم صرف اس لیے لڑے کہ تم کو بہادر کہا جائے۔ اس کے بعد اس کو گھسیٹ کر جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ پھر وہ شخص لایا جائے گا جس نے علم حاصل کیا‘ لوگوں کو علم سکھایا اور قرآن پڑھا۔ اس سے بھی اسی طرح سوال کیا جائے گا اور وہ جواب میں کہے گا کہ میں نے علم سیکھا‘ سکھایا اور تیرے لیے قرآن پڑھا۔ ارشاد ہو گا کہ تم جھوٹ کہتے ہو۔ تم نے علم اس لیے حاصل کیا کہ عالم کہے جاؤ‘ قرآن اس لیے پڑھا کہ قاری کہے جاؤ‘ پھر اسی طرح گھسیٹ کر جہنم میں ڈال دیا جائے گا......''(٥)

ایک موقع پر علماء کے بارے میں آپﷺ نے ارشاد فرمایا:

((مَنْ تَعَلَّمَ عِلْمًا مِمَّا يُبْتَغٰى بِهٖ وَجْهُ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ، لَا يَتَعَلَّمُهٗ اِلَّا لِيُصِيْبَ بِهٖ عَرَضًا مِنَ الدُّنْيَا، لَمْ يَجِدْ عَرْفَ الْجَنَّةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ)) يَعْنِيْ رِيْحَهَا (٦)

''جو شخص ایسا علم سیکھے جس سے اللہ کی رضامندی حاصل ہو سکتی ہے لیکن اس کی غرض صرف یہ ہو کہ وہ اس کے ذریعے دنیا کا مال اور دنیا کی عزت حاصل کرے وہ شخص قیامت کے دن جنت کی ہوا بھی نہ پائے گا''۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : ((**تَعَوَّذُوْا بِاللّٰهِ مِنْ جُبِّ الْحَزَنِ!**)) قَالُوْا: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا جُبُّ الْحَزَنِ؟ قَالَ : ((**وَادٍ فِيْ جَهَنَّمَ تَتَعَوَّذُ مِنْهُ جَهَنَّمُ كُلَّ يَوْمٍ مِائَةَ مَرَّةٍ**)) قُلْنَا : يَارَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَنْ يَدْخُلُهُ؟ قَالَ : ((**اَلْقُرَّاءُ الْمُرَاءُوْنَ بِاَعْمَالِهِمْ**)) (۷)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کی پناہ مانگو جب حزن سے!'' صحابہؓ نے پوچھا' یارسول اللہؐ! جب حزن کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ''جہنم کی ایک وادی ہے جس سے خود جہنم روزانہ ایک سو بار پناہ مانگتی ہے''۔ ہم نے عرض کیا: ''یارسول اللہؐ! کون لوگ اس میں داخل ہوں گے؟ آپؐ نے فرمایا: ''وہ قاری (اور علماء) جن کے اعمال دکھاوے کے ہوں گے''۔

حضور نبی کریم ﷺ نے دکھاوے اور نمائش کو شرکِ خفی سے تعبیر کیا ہے۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے ہاں تشریف لائے جبکہ ہم لوگ دجال کا تذکرہ کر رہے تھے تو آپؐ نے فرمایا: ''کیا میں تمہیں وہ بات نہ بتاؤں جو میرے نزدیک تمہارے حق میں دجال سے زیادہ خوفناک ہے؟'' ہم نے عرض کیا: ''ہاں یارسول اللہ! آپؐ نے فرمایا:

((**اَلشِّرْكُ الْخَفِيُّ اَنْ يَقُوْمَ الرَّجُلُ يُصَلِّيْ فَيُزَيِّنُ صَلَاتَهُ لِمَا يَرٰى مِنْ نَظَرِ رَجُلٍ**)) (۸)

''شرکِ خفی' کہ کوئی شخص نماز پڑھنے کھڑا ہوا اور محض اس بنا پر کہ کوئی دوسرا شخص اسے دیکھ رہا ہے اپنی نماز کو خوبصورت بنائے''۔

اللہ کے ساتھ شریک کرنے کا مطلب یہ ہے کہ عمل کرنے والے کی غرض یہ بھی ہو کہ لوگ اسے دیکھیں اور اس کی مدح وستائش کریں۔ شداد بن اوس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

((**مَنْ صَلّٰى يُرَائِيْ فَقَدْ اَشْرَكَ' وَمَنْ صَامَ يُرَائِيْ فَقَدْ اَشْرَكَ' وَمَنْ تَصَدَّقَ يُرَائِيْ فَقَدْ اَشْرَكَ**)) (۹)

''جس نے دکھاوے کی نماز پڑھی اس نے شرک کیا' جس نے دکھاوے کے لیے روزہ رکھا اس نے شرک کیا' جس نے دکھاوے کے لیے صدقہ کیا اس نے شرک کیا۔''

قرآن حکیم نے ریا اور نمود و نمائش کو نفاق سے تعبیر کیا ہے۔ منافقین کے بارے میں فرمایا:

﴿وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَی الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۴۲﴾﴾ (النساء)

''اور جب یہ نماز کے لیے اٹھتے ہیں تو کسمساتے ہوئے محض لوگوں کو دکھانے کے لیے اٹھتے ہیں اور اللہ کو کم ہی یاد کرتے ہیں۔''

اسی طرح مخفی خواہش کو حضورﷺ نے شرک کے مماثل قرار دیا۔ فرمایا کہ:

((اِنَّ اَخْوَفَ مَا اَتَخَوَّفُ عَلٰی اُمَّتِی الْاِشْرَاكُ بِاللّٰهِ، اَمَا اِنِّیْ لَسْتُ اَقُوْلُ يَعْبُدُوْنَ شَمْسًا وَلَا قَمَرًا وَلَا وَثَنًا وَلٰـكِنْ اَعْمَالًا لِغَيْرِ اللّٰهِ وَشَهْوَةً خَفِيَّةً)) (۱۰)

''مجھے اپنی اُمت کی نسبت سب سے زیادہ خوف شرک کا ہے، مگر میں یہ نہیں کہتا کہ وہ چاند، سورج اور بتوں کی پرستش کرنے لگے گی، بلکہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ اورلوگوں کے لیے یا کسی مخفی خواہش سے عمل کرے گی۔''

وہ عیوب جو ہر بھلائی کی بیخ کنی کر دیتے ہیں، سید مودودیؒ کہتے ہیں کہ ان میں اوّلین درجہ کبر و غرور کا ہے۔ یہ وہ بدترین عیب ہے جو ہر بھلائی کی جڑ کاٹ دیتا ہے، یہ سراسر ایک شیطانی جذبہ ہے جو شیطانی کاموں کے لیے ہی موزوں ہوسکتا ہے۔ دوسرا بڑا عیب جو خیر کی جڑوں کو کھا جانے میں کبر سے کسی طرح کم نہیں وہ نمود و نمائش ہے۔ مولانا مودودیؒ لکھتے ہیں:

''کوئی شخص اگر بھلائی کا کام نمود و نمائش کے لیے کرے اور اس کام میں اسے خلق کی تحسین حاصل کرنے کی فکر یا پروا ہو، یہ چیز خلوص ہی کی نہیں، حقیقت میں ایمان کی ضد ہے اور اسی بنا پر اسے چھپا ہوا شرک قرار دیا گیا ہے۔ خدا اور آخرت پر ایمان کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ انسان صرف خدا کی رضا کے لیے کام کرے، اسی سے اجر کی آس لگائے اور دنیا کی بجائے آخرت کے نتائج پر نگاہ رکھے، لیکن ریاکار انسان خلق کی رضا کو مقصود بناتا ہے، خلق ہی کے اجر کا طالب ہوتا ہے اور دنیا ہی میں اپنا اجر نام و نمود، شہرت، ہردلعزیزی، نفوذ و اثر اور حشمت و جاہ کی شکل میں پالیتا ہے...... یہ ناپاک جذبہ نتیجہ کے اعتبار سے عمل کو ضائع کر دیتا ہے......اس جذبے کی فطری خاصیت یہ ہے کہ آدمی کو اس کام سے زیادہ کام کے اشتہار کی فکر ہوتی ہے اور اسی کو وہ کام سمجھتا ہے جس کا ڈھنڈورا پٹے اور تحسین و آفریں کا خراج وصول کر کے لائے۔'' (تحریک اور کارکن)

ذرائع ابلاغ خصوصاً الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا نے اس مرض کو بڑھانے میں خاصا کردار ادا کیا ہے‘ دینی قوتوں کو بھی نمود و نمائش کی ایسی چاٹ لگ گئی ہے جو ان مقدس اور ارفع مقاصد کو مجروح کیے جا رہی ہے اور مطلوبہ مقاصد کا حصول بظاہر ناممکن دکھائی دے رہا ہے۔ اس سے محفوظ رہنے کے لیے انفرادی اور اجتماعی کوششیں بروئے کار نہ لائی گئیں تو یہ ایک بڑا المیہ ہوگا۔ نمود و نمائش اور ریا کاری و دکھلاوا یوں تو ہر بندۂ ربّ کے لیے خطرناک مرض ہے لیکن ایسا بندۂ ربّ جو بندگیٔ رب کے جامع اور وسیع تصور کا حامل ہونے کا دعوے دار ہو اور اس کی وسعت کو انسانی زندگی کے تمام شعبوں میں نافذ اور جاری وساری کرنے کا متمنی ہی نہیں بلکہ اس کا عزم بالجزم رکھتا ہو اور اجتماعی دھارے میں شامل ہو کر اس دورنگی‘ منافقت‘ ریا‘ شہرت وسُمعہ اور سستی مسلمانی جیسی غیر محسوس بیماریوں کے چنگل سے نکل آنے اور دوسروں کو بھی اس دلدل سے نکال باہر لانے کا فیصلہ کر چکا ہو‘ ایسے کارکن کو خواہ وہ تحریک کی عام صفوں میں متحرکِ عمل ہو یا منصب قیادت پر فائز ہو کر دوسروں کے لیے قافلہ سالاری کا فرض ادا کر رہا ہو —— ان خطرناک خیالات‘ احساسات اور شیطانی وسوسوں سے ہزار بار اللہ کی پناہ مانگنی چاہیے‘ دانستہ ہو تب بھی اللہ کے حضور شرکِ خفی پر مغفرت طلب کرنی چاہیے اور نادانستہ ہو تب بھی یاد آ جانے پر اس سے اظہارِ براءت کرنا چاہیے۔

حواشی

(۱) صحیح مسلم‘ کتاب الزھد والرقاق‘ باب من اشرك فی عملہ غیر اللّٰہ۔

(۲) سنن ابن ماجہ‘ کتاب الزھد۔

(۳) صحیح البخاری‘ کتاب الرقاق‘ باب الریاء والسُمعۃ۔ وصحیح مسلم‘ کتاب الزھد والرقاق‘ باب من اشرك فی عملہ غیر اللّٰہ۔

(٤) صحیح مسلم‘ کتاب الامارۃ‘ باب من قاتل لتکون کلمۃ اللّٰہ ھی العلیا فھو فی سبیل اللّٰہ۔

(٥) صحیح مسلم‘ کتاب الامارۃ‘ باب من قاتل للریاء والسُمعۃ استحق النار۔

(٦) سنن ابی داوٗد‘ کتاب العلم‘ باب فی طلب العلم لغیر اللّٰہ تعالی۔ وسنن ابن ماجہ‘ المقدمۃ‘ باب الانتفاع بالعلم والعمل بہ۔

(۷) سنن الترمذی‘ ابواب الزھد عن رسول اللہ ﷺ‘ باب ما جاء فی الریاء والسُمعۃ۔ وسنن ابن ماجہ‘ المقدمۃ‘ باب الانتفاع بالعلم والعمل بہ۔

(۸) سنن ابن ماجہ‘ کتاب الزھد‘ باب الریاء والسُمعۃ۔

(۹) مسند احمد‘ مسند الشامین۔

(۱۰) سنن ابن ماجہ‘ کتاب الزھد‘ باب الریاء والسُمعۃ۔

اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ

حافظہ منزّہ رشید

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿سَنُرِیۡہِمۡ اٰیٰتِنَا فِی الۡاٰفَاقِ وَ فِیۡۤ اَنۡفُسِہِمۡ حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَہُمۡ اَنَّہُ الۡحَقُّ ؕ اَوَ لَمۡ یَکۡفِ بِرَبِّکَ اَنَّہٗ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ شَہِیۡدٌ ﴿۵۳﴾ اَلَاۤ اِنَّہُمۡ فِیۡ مِرۡیَۃٍ مِّنۡ لِّقَآءِ رَبِّہِمۡ ؕ اَلَاۤ اِنَّہٗ بِکُلِّ شَیۡءٍ مُّحِیۡطٌ ﴿۵۴﴾﴾ (حٰمٓ السجدۃ)

''ہم عنقریب لوگوں کو اپنی نشانیاں اور حقائق اس کائنات کے مشاہدے اور خود ان کی اپنی تخلیق کے اسرار و رموز افشا کر کے دکھاتے چلے جائیں گے یہاں تک کہ ان پر حقیقت کھل کر سامنے آ جائے گی کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی کتاب ہی ''الحق'' ہے۔ اے رسولؐ! کیا تمہارا رب اس حقیقت کے اظہار کے لیے کافی نہیں جس کی ربوبیت کا اظہار کائنات کی ہر ہر چیز سے ہو رہا ہے اور وہ تمام کائنات کا نگہبان ہے۔ خبردار! جو لوگ اس معاملے میں ابھی تک شک و شبہ میں ہیں وہ سمجھ لیں کہ اللہ تعالیٰ ان سب کے اور کائنات کے ہر عمل پر حاوی ہے۔''

ایک اور مقام پر فرمایا:

﴿کِتٰبٌ اَنۡزَلۡنٰہُ اِلَیۡکَ مُبٰرَکٌ لِّیَدَّبَّرُوۡۤا اٰیٰتِہٖ وَ لِیَتَذَکَّرَ اُولُوا الۡاَلۡبَابِ ﴿۲۹﴾﴾ (صٓ)

''یہ ایک بڑی برکت والی کتاب ہے جو (اے محمدؐ!) ہم نے تمہاری طرف نازل کی ہے تاکہ یہ لوگ اس کی آیات پر غور و فکر کریں اور عقل و فکر رکھنے والے اس سے سبق لیں۔''

نیز فرمایا:

﴿اَفَلَا یَتَدَبَّرُوۡنَ الۡقُرۡاٰنَ اَمۡ عَلٰی قُلُوۡبٍ اَقۡفَالُہَا ﴿۲۴﴾﴾ (محمّد)

''کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر قفل لگا دیے گئے ہیں؟''

قرآن مجید فرقان حمید' شان وعظمت اور حکمت و دانائی کا وہ سرچشمہ ہے جس کو ربّ العالمین نے اپنے محبوب' نبی آخر الزماں' رحمۃ للعالمین حضرت محمدﷺ پر نازل فرمایا۔ قرآن حکیم اللہ تعالیٰ کی لافانی کتاب ہے اور ہر دور میں انسانیت کے لیے منبع ہدایت' عظیم روحانی طاقت اور زندگی کے لیے مکمل رہنما ہے۔ قرآنی تعلیمات ایسی معجزانہ ہیں کہ جس قوم نے بھی ان کو اپنایا اور ان پر عمل کیا وہ اوجِ ثریا تک پہنچ گئی۔ رسول اکرمﷺ کا ارشادِ مبارک ہے:

((اِنَّ اللّٰهَ يَرْفَعُ بِهٰذَا الْكِتَابِ اَقْوَامًا وَيَضَعُ بِهٖ آخَرِيْنَ))[1]

''اللہ تعالیٰ اسی کتاب کے ذریعے سے کچھ قوموں کو عروج تک پہنچائے گا اور اسی (کو ترک کرنے) کے سبب کچھ کو ذلیل وخوار کرے گا۔''

اس کائنات کا مقصدِ تخلیق یقیناً یہی تھا کہ اسے انسانوں کے رہنے کے قابل بنایا جائے اور اس میں موجود تمام چیزوں کو انسانوں کے لیے مسخر کیا جائے۔ اس کا ذکر سورۃ الجاثیہ میں یوں آتا ہے:

﴿وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ﴾ (الجاثية:١٣)

''اور جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اُس نے سب کا سب تمہارے لیے مسخر کر دیا ہے۔''

اللہ جل جلالہ نے قرآن حکیم میں اپنی عظمت' بزرگی اور شانِ کبریائی کے جو مظاہر اور نشانیاں بیان فرمائی ہیں ان کی تعریف وتوصیف کا انسان حق ادا نہیں کر سکتا اور قرآن کے بیان کرنے کے باوجود بھی انسان ان کی کنہ تک رسائی حاصل نہیں کر سکتا۔ قرآن پاک میں الحمد شریف سے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنی تعریف کا آغاز فرمایا ہے اور پھر پورے قرآن میں اس کی عظمت' دانائی' شانِ کبریائی' نعمتوں' رحمتوں' برکتوں' بخشش وعطا اور بندوں کی شہ رگ سے قریب ہونے کا بیان ملتا ہے۔ انسان جوں جوں قرآن کریم پر تفکر وتدبر کرتا ہے اس کے معانی ومفاہیم کے نئے نئے باب وا ہونے لگتے ہیں۔ قرآن مجید' فرقانِ حمید' اللہ جل جلالہ کی وہ عظیم الشان' جلیل القدر اور پرحکمت کتاب ہے جس میں ایک طرف عبادات ومعاملات کے احکام ہیں' مثلاً: نماز قائم کرنا' زکوٰۃ ادا کرنا' بیت اللہ کا حج کرنا' رمضان کے روزے رکھنا' والدین سے حسن سلوک کرنا' وعدہ پورا کرنا' پورا ناپنا اور تولنا' حق وانصاف سے فیصلہ کرنا' اور سب سے بڑھ کر اقامت دین کی جدوجہد اور اس کے نتیجے میں تمام تر تکالیف برداشت کر کے اپنا تن من دھن اس ربِّ کائنات پر قربان کرنا اور اس کی رضا وخوشنودی حاصل کرنا۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ﴾ (الصفّ)

''بے شک اللہ تعالیٰ کو اپنے وہ بندے محبوب ہیں جو صفیں باندھ کر اس کی راہ میں جنگ کریں گویا کہ وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں۔''

یہ تو اوامر تھے ان کے ساتھ ساتھ نواہی بھی ہیں‘ مثلاً: جھوٹ سے اجتناب کرو‘ ایک دوسرے پر عیب نہ لگاؤ‘ دوسروں کو برے القاب سے مت پکارو‘ بدگمانی سے اجتناب کرو‘ کسی کی جاسوسی مت کرو‘ ایک دوسرے کی غیبت نہ کرو‘ ایک دوسرے کا مذاق نہ اڑاؤ۔ اسی طرح شراب پینا‘ جوا کھیلنا‘ بت پانسے وغیرہ سے اجتناب کا حکم دیا گیا اور ان کو شیطان کے عمل قرار دیا گیا۔ فرمایا:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ (المائدۃ)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! یقیناً شراب‘ جوا‘ بتوں کے استھان اور پانسے‘ یہ سب گندے شیطانی کام ہیں‘ پس ان سے باز آ جاؤ تاکہ تم فلاح پاؤ۔''

اس کے علاوہ سود‘ زنا‘ فضول خرچی اور اموالِ یتامیٰ غصب کرنے کو ممنوع قرار دیا گیا۔ شرک کو جرمِ عظیم کہا اور واضح کیا کہ یہ ناقابل معافی جرم ہے۔

قرآن‘ علوم و معارف کا جامع ہے

قرآن مجید میں جہاں عبرتوں‘ نصیحتوں کے اقوال‘ انبیاء کرام اور گزشتہ اُمتوں کے احوال و واقعات اور جنت و دوزخ کے حالات مذکور ہیں‘ وہیں اس کی گہرائیوں میں علوم و معارف کے خزانوں کے ایسے بے شمار سمندر موجزن ہیں جو قیامت تک کبھی ختم نہیں ہو سکتے۔ فرمانِ نبویؐ ہے:

((لَا يَشْبَعُ مِنْهُ الْعُلَمَاءُ وَلَا يَخْلَقُ عَنْ كَثْرَةِ الرَّدِّ وَلَا تَنْقَضِيْ عَجَائِبُهُ))[۲]

''قرآنی مضامین کا احاطہ کر کے کبھی علماء آسودہ نہیں ہوں گے اور بار بار پڑھنے سے قرآن پرانا نہیں ہوگا اور قرآن مجید کے عجائب کبھی ختم نہیں ہوں گے۔''

قرآن مجید اگرچہ ظاہر میں تیس پاروں کا مجموعہ ہے لیکن اس کے بین السطور لاتعداد علوم ومعارف پوشیدہ ہیں۔ کسی عارف باللہ کا قول ہے:

جمیع العلم فی القرآن لکن تقاصر عنہ أفہام الرجال

یعنی دنیا بھر کے تمام علوم قرآن میں موجود ہیں لیکن لوگوں کی عقلیں ان کے سمجھنے سے قاصر و کوتاہ ہیں۔

قرآن مجید میں صرف علوم و معارف ہی نہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اس میں کائنات کی ہر ہر شے کا واضح، روشن اور تفصیلی بیان ہے۔ ماضی کا ہر واقعہ، حال کا ہر معاملہ اور مستقبل کا ہر حادثہ قرآن شریف میں بیان کر دیا گیا ہے۔ چنانچہ ارشادِ ربانی ہے:

﴿**مَا فَرَّطْنَا فِی الْکِتٰبِ مِنْ شَیْءٍ**﴾ (الانعام:۳۸)

''ہم نے لکھے بغیر کوئی چیز نہیں چھوڑی۔''

دوسرے مقام پر ارشاد ہے:

﴿**وَنَزَّلْنَا عَلَیْکَ الْکِتٰبَ تِبْیَانًا لِّکُلِّ شَیْءٍ**﴾ (النحل:۸۹)

''اور ہم نے آپؐ پر ایسی کتاب اتاری جس میں ہر چیز کا کھلا بیان ہے۔''

قرآن کریم، کتابِ نور ہے

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿**وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْ اُنْزِلَ مَعَهٗ اُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ**۝۱۵۷﴾ (الاعراف)

''اور انہوں نے اس نور کی پیروی کی جو اس نبی کے ساتھ نازل ہوا، یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔''

یہ قرآن لوگوں کو ظلم و شرک کے اندھیروں سے نکال کر نورِ ہدایت کی طرف لاتا ہے:

﴿**الٓرٰ قف کِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَیْکَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰی صِرَاطِ الْعَزِیْزِ الْحَمِیْدِ**۝۱﴾ (ابراھیم)

''الٓرٰ، یہ کتاب ہے جو ہم نے تمہاری طرف اس لیے اتاری ہے کہ تم لوگوں کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی کی طرف لاؤ، ان کے رب کے اذن سے، خدائے عزیز و حمید کے راستہ کی طرف۔''

سوال یہ ہے کہ کیا ہم نے قرآن سے روشنی حاصل کرنے کی کوشش کی؟ ہماری حالت تو یہ ہے کہ ہم خوابِ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمانِ عالی شان ہے:

﴿**اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِیْ غَفْلَةٍ مُّعْرِضُوْنَ**۝۱﴾ (الانبیاء)

''لوگوں کے لیے ان کے محاسبہ کا وقت قریب آ لگا ہے اور یہ غفلت میں پڑے ہوئے اعراض کیے جا رہے ہیں۔''

لہٰذا نورِ ہدایت حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اس کتابِ نور و ہدایت کو پڑھا اور سمجھا جائے۔

قرآن منزل من اللہ ہے

قرآن کریم کسی مخلوق کی تصنیف نہیں بلکہ یہ خالقِ کائنات کی جانب سے نازل شدہ ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ﴿٢﴾﴾ (الجاثیۃ)

''اس کتاب کی تنزیل خدائے عزیز وحکیم کی طرف سے ہے۔''

نیز فرمایا:

﴿وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ مُّصَدِّقُ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ﴾ (الانعام:۹۲)

''یہ ایک کتاب ہے جسے ہم نے نازل کیا ہے' بڑی خیر و برکت والی ہے' اُس چیز کی تصدیق کرتی ہے جو اس سے پہلے آئی تھی۔''

﴿اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ﴿٢﴾﴾ (یوسف)

''ہم نے اس کو عربی قرآن بنا کر اتارا تا کہ تم سمجھو۔''

اس مضمون کی اور بھی بہت سی آیتیں موجود ہیں' جن سے واضح ہوتا ہے کہ یہ قرآن خدائے بزرگ و برتر ہی کا نازل کردہ ہے۔

قرآن' تمام انسانوں کے لیے باعث ہدایت ہے

اس پرنور کتاب کی خاص بات یہ ہے کہ یہ چونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مکمل ترین اور آخری ہدایت نامہ ہے' اس لیے اسے صرف مسلمانوں کے لیے یا صرف عربوں کے لیے نہیں اتارا گیا بلکہ یہ لافانی اور لاریب کتابِ مبین ہے۔ تمام بنی نوع انسان کے لیے سرچشمۂ ہدایت ہے۔ صرف مسلمانانِ عرب ہی نہیں بلکہ پوری دنیا کے تمام انسان اس کے مخاطب ہیں۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ وَلِيُنْذَرُوْا بِهٖ وَلِيَعْلَمُوْٓا اَنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّلِيَذَّكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ﴿٥٢﴾﴾ (ابراھیم)

''یہ لوگوں کے لیے ایک اعلان ہے اور تاکہ اس کے ذریعے سے وہ آگاہ کر دیے جائیں اور تاکہ وہ جان لیں کہ وہی (اللہ) ایک معبود ہے اور تاکہ اہل عقل یاد دہانی حاصل کریں۔''

قرآن حکیم کی متعدد آیات میں یہ مضمون بیان ہوا ہے۔ یہاں قابل غور بات یہ ہے کہ ہم اپنے گریبانوں میں جھانک کر دیکھیں کہ ہم قرآن کے ذریعے نورِ ہدایت سے کس قدر قریب ہوئے ہیں۔ اس کا معیار محض قول نہیں بلکہ عمل ہے' کیونکہ:

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

جب انسان سیدھے راستے پر چلنے لگتا ہے تو شیطانی قوتیں چہار سو سے اس پر حملہ آور ہوتی ہیں' جیسا کہ شیطان نے کہا تھا:

﴿قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِیْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝١٦ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ ۭ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ ۝١٧﴾ (الاعراف)

''بولا: چونکہ تو نے مجھے گمراہی میں ڈالا ہے اس وجہ سے میں تیری سیدھی راہ پر ان کے لیے گھات میں بیٹھوں گا' پھر میں ان کے آگے' ان کے پیچھے' ان کے داہنے اور ان کے بائیں سے ان پر حملہ کروں گا (اور تو اکثر کو ناشکرا پائے گا)''۔

انسان ہر قدم پر پھسلتا ہے۔ منزل حاصل کرنے کے لیے زندگی وقف کرنی پڑتی ہے۔ دنیا میں دو چیزیں خاص طور پر مؤمن کے پیش نظر رہنی چاہئیں: صبر اور شکر۔ جب صراطِ مستقیم پر قدم رکھا تو اسے ہر قسم کی تکلیفوں کو برداشت کر کے اور معصیت کو چھوڑنے پر صبر کرنا ہوگا اور ہر وقت اپنے رب کریم کا شکر ادا کرنا ہوگا کہ اس نے اندھیروں سے نکال کر اسے نورِ مبین عطا فرمایا۔

انسان کی تخلیق بے مقصد نہیں

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ۭ﴾ (البقرۃ:٢٨٤)

''جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے سب اللہ ہی کا ہے۔''

انسان بھی آسمانوں اور زمین میں ہیں۔ لہٰذا یہ بھی اسی کے ہیں۔ قرآن فرماتا ہے:

﴿اَفَحَسِبۡتُمۡ اَنَّمَا خَلَقۡنٰـکُمۡ عَبَثًا وَّاَنَّـکُمۡ اِلَـیۡنَا لَا تُرۡجَعُوۡنَ﴿۱۱۵﴾﴾(المؤمنون)

''سو کیا تم خیال رکھتے ہو کہ ہم نے تم کو بنایا کھیلنے کو اور تم ہمارے پاس لوٹ نہ آؤ گے؟''

کیا انسان اس سے انکار کر سکتا ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا ہے؟ ارشاد ہوا:

﴿اَمۡ خُلِقُوۡا مِنۡ غَیۡرِ شَیۡءٍ اَمۡ ہُمُ الۡخٰلِقُوۡنَ﴿۳۵﴾﴾ (الطور)

''کیا یہ بغیر کسی (پیدا کرنے والے) کے خود بخود پیدا ہو گئے ہیں؟ یا یہ خود اپنے پیدا کرنے والے ہیں؟''

کیا ہم نے کبھی اس پر غور کیا ہے کہ ہماری تخلیق کا مقصد کیا ہے؟ ہمارا طرزِ عمل تو یہ ہے کہ شاید یہ کارخانۂ عالم یونہی وجود میں آ گیا ہے اور اسی طرح ختم ہو جائے گا۔ قیامت' آخرت اور جنت و دوزخ محض خیالی باتیں ہیں۔ یہ اس لیے ہے کہ قرآن کو پڑھا ہی نہیں جاتا بلکہ اپنے عمل سے اسے جھٹلایا جا رہا ہے:

﴿تَنۡزِیۡلٌ مِّنۡ رَّبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۸۰﴾ اَفَبِھٰذَا الۡحَدِیۡثِ اَنۡتُمۡ مُّدۡہِنُوۡنَ ﴿۸۱﴾ وَتَجۡعَلُوۡنَ رِزۡقَکُمۡ اَنَّـکُمۡ تُـکَذِّبُوۡنَ﴿۸۲﴾﴾ (الواقعۃ)

''یہ ربّ العالمین کی طرف سے اترا ہوا ہے۔ پھر کیا اس کلام کے ساتھ تم بے اعتنائی برتتے ہو اور اس نعمت میں تم نے اپنا حصہ یہ رکھا ہوا ہے کہ اسے جھٹلا رہے ہو؟''

ہماری پوری زندگی مجرمانہ غفلت میں بسر ہو رہی ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ ہمارا ایمان خام ہے۔ اگر ہم دل و جان سے توحید و رسالت کے قائل ہوتے تو اس کے تقاضوں کو جاننے کے لیے لازماً قرآن کی طرف متوجہ ہوتے۔

قرآن ہی اللہ کی رسّی ہے

امر واقعہ یہ ہے کہ دنیا کے فتنوں سے نجات کے لیے کسی سہارے کا ہونا از بس ضروری ہے' ورنہ نجات کا حصول ممکن نہیں۔ یہ سہارا ہمیں قرآن کی شکل میں ملتا ہے جو گمراہیوں سے بچا کر راہِ ہدایت پر گامزن رکھتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ذی شان ہے:

((کِتَابُ اللّٰہِ' حَبْلٌ مَّمْدُوْدٌ مِّنَ السَّمَاءِ اِلَی الْاَرْضِ))(۳)

''اللہ کی کتاب (کو تھامے رکھنا) جو آسمان سے زمین تک تنی ہوئی ایک رسی ہے''۔

خطبۂ حجۃ الوداع کے موقع پر نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((وَاِنِّیْ قَدْ تَرَکْتُ فِیْکُمْ مَا لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدَہٗ اِنِ اعْتَصَمْتُمْ بِہٖ کِتَابُ اللّٰہِ))(۴)

''اور میں تمہارے درمیان ایسی چیز چھوڑے جا رہا ہوں کہ اگر تم اسے مضبوطی سے پکڑ لو گے تو اس کے بعد کبھی گمراہ نہیں ہو گے۔ وہ کتاب اللہ ہے۔''

ایک مرتبہ نبی اکرمﷺ اپنے حجرۂ مبارک سے برآمد ہوئے۔ دیکھا کہ مسجد کے ایک کونے میں کچھ لوگ بیٹھے قرآن مجید کا مذاکرہ کر رہے ہیں۔ اس پر آپﷺ کے چہرۂ اقدس پر خوشی اور مسرت کے آثار ظاہر ہوئے۔ آپؐ ان کے پاس تشریف لائے اور فرمایا:

((اَبْشِرُوْا اَبْشِرُوْا' اَلَسْتُمْ تَشْهَدُوْنَ اَنْ لَّا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ؟))

''خوش ہو جاؤ' خوش ہو جاؤ! کیا آپ لوگ اس کے گواہ نہیں کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں؟''

صحابہ کرامؓ نے عرض کیا: ''کیوں نہیں اے اللہ کے رسول! ہم اس بات کی گواہی دیتے ہیں''۔ آپؐ نے فرمایا:

((فَاِنَّ هٰذَا الْقُرْآنَ سَبَبٌ' طَرْفُهٗ بِيَدِ اللّٰهِ وَطَرْفُهٗ بِاَيْدِيْكُمْ' فَتَمَسَّكُوْا بِهٖ' فَاِنَّكُمْ لَنْ تَضِلُّوْا وَلَنْ تَهْلِكُوْا بَعْدَهٗ اَبَدًا)) (۵)

''پس یہ قرآن ایک واسطہ ہے' جس کا ایک سرا اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اور دوسرا تمہارے ہاتھ میں۔ پس اسے مضبوطی سے تھامے رکھو' کیونکہ اس کے بعد نہ تم گمراہ ہو گے اور نہ ہلاکت میں پڑو گے''۔

دنیا ایک دلدل کی مانند ہے' اور قرآن ہی وہ رسی اور وہ ہاتھ ہے جو ہمیں اس دلدل سے نکلنے میں کامیاب کر سکتا ہے۔ اسے چھوڑ کر کامیابی حاصل نہیں ہو سکتی۔ ابوجہل اور ابولہب کی عبرت ناک مثالیں ہمارے سامنے ہیں جو قعرِ مذلت میں جا گرے' کیونکہ انہوں نے قرآن کے سہارے کو ترک کر دیا تھا۔

قرآن ہی ہماری رہنمائی کر سکتا ہے

انسان کو اللہ تعالیٰ نے تخلیق کیا اور اسے اپنے خالق ہی سے ہدایت و رہنمائی لینی ہو گی۔ لیکن ہم شاید اللہ تعالیٰ کو بے خبر جانتے ہیں' حالانکہ وہ سب سے بڑھ کر ہماری حاجات کا علم رکھتا ہے۔ فرمایا: ﴿اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ؕ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ﴾ (الملک) ''کیا وہی نہ جانے گا جس نے پیدا کیا ہے' حالانکہ وہ باریک بین اور باخبر ہے''۔ جب ہم اللہ سے ہدایت طلب کریں گے اور اُس کے عطا کرنے پر اس کو اپنا لیں گے تو ہماری دنیا و آخرت سنور جائے گی۔ نہ

کوئی خوف ہوگا اور نہ غم۔ ہم اس غفلت سے نکل آئیں گے جس میں آج ہمارے روز و شب بسر ہو رہے ہیں۔ بصورتِ دیگر موت ہی ہماری آنکھیں کھولے گی۔

یہ دنیا امتحان گاہ ہے

یہ امر ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ دنیا کی یہ زندگی آخرت کے لیے ایک امتحان ہے۔ قرآن فرماتا ہے:

﴿تَبٰرَکَ الَّذِیۡ بِیَدِہِ الۡمُلۡکُ وَ ہُوَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرُۨ ۙ﴿۱﴾ الَّذِیۡ خَلَقَ الۡمَوۡتَ وَ الۡحَیٰوۃَ لِیَبۡلُوَکُمۡ اَیُّکُمۡ اَحۡسَنُ عَمَلًا ؕ﴾ (الملک:۲)

''نہایت بزرگ و برتر ہے وہ ذات جس کے ہاتھ میں کائنات کی سلطنت ہے اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے' جس نے موت اور زندگی کو ایجاد کیا تاکہ تم لوگوں کو آزما کر دیکھے کہ تم میں سے کون بہتر عمل کرتا ہے۔''

لہٰذا ہمیں اس میں کامیاب ہونے کے لیے محنت کرنی چاہیے' جیسا کہ طالب علم دنیا کے امتحانوں میں کامیابی کے لیے دن رات محنت کرتا ہے' لیکن افسوس کہ ہم نے اس دنیا ہی کو مقصود و مطلوب سمجھ لیا' حالانکہ اس کی حقیقت یہ ہے کہ:

﴿وَ مَا الۡحَیٰوۃُ الدُّنۡیَاۤ اِلَّا مَتَاعُ الۡغُرُوۡرِ ﴿۲۰﴾﴾ (الحدید)

''اور دنیا کی زندگی بجز دھوکے کے سامان کے اور کچھ بھی نہیں۔''

قرآن کریم کے بار بار متنبہ کرنے کے باوجود ہم دنیا کے پیچھے بھاگے چلے جا رہے ہیں اور قرآن شریف سے اعراض کی روش اپنا رکھی ہے۔ اس طرزِ عمل کا انجام بھی قرآن حکیم نے ہمیں بتلا دیا ہے۔ فرمایا:

﴿وَ مَنۡ یَّعۡشُ عَنۡ ذِکۡرِ الرَّحۡمٰنِ نُقَیِّضۡ لَہٗ شَیۡطٰنًا فَہُوَ لَہٗ قَرِیۡنٌ ﴿۳۶﴾﴾ (الزخرف)

''جو شخص رحمٰن کے ذکر سے تغافل برتتا ہے ہم اس پر ایک شیطان مسلط کر دیتے ہیں' پس وہ اس کا رفیق بن جاتا ہے۔''

یہ وہی شیطان ہے جو اپنے رب کے حکم کی اطاعت سے نکل گیا۔ اسی کے بارے میں قرآن کہتا ہے:

﴿اَفَتَتَّخِذُوۡنَہٗ وَ ذُرِّیَّتَہٗۤ اَوۡلِیَآءَ مِنۡ دُوۡنِیۡ وَ ہُمۡ لَکُمۡ عَدُوٌّ ؕ بِئۡسَ لِلظّٰلِمِیۡنَ بَدَلًا ﴿۵۰﴾﴾ (الکہف)

''اب تم کیا مجھے (یعنی اللہ کو) چھوڑ کر اُس کو اور اُس کی ذریت کو اپنا دوست بناتے ہو؟ ایسے ظالموں کا کیا ہی برا بدل ہے۔''

اللہ تعالیٰ کے بجائے شیطان کو دوست بنانے والے قیامت کے روز پچھتائیں گے' لیکن اس کا انہیں کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ خدا کو چھوڑنے کے معنی یہ ہیں کہ اس کی کتاب سے منہ موڑ لیا جائے۔ اس مہجوری قرآن کا شکوہ روزِ قیامت رسول اکرم ﷺ یوں فرمائیں گے:

﴿وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا﴿۳۰﴾﴾

(الفرقان)

''اے میرے پروردگار! بے شک میری اُمت نے اس قرآن کو چھوڑ رکھا تھا۔''

کاش ہم جو عاشق رسول ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں' اس آیت پر غور کریں کہ قرآن سے تغافل برتنے پر رسولِ خدا ہمارے خلاف بارگاہِ ربّ العزت میں استغاثہ دائر کریں گے۔ قرآن کو پس پشت ڈالنے سے دنیا و آخرت میں انسان کا جو انجام ہوگا' اللہ تعالیٰ نے اسے کھول کر ہمارے سامنے بیان کر دیا ہے۔ فرمایا:

﴿وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى﴿۱۲۴﴾ قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِيْٓ اَعْمٰى وَقَدْ كُنْتُ بَصِيْرًا﴿۱۲۵﴾ قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰيٰتُنَا فَنَسِيْتَهَا ۚ وَكَذٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْسٰى﴿۱۲۶﴾﴾ (طٰہٰ)

''اور جو میرے ذکر (درسِ نصیحت' قرآن) سے منہ موڑے گا اس کے لیے دنیا میں تنگ زندگی ہوگی اور قیامت کے روز ہم اسے اندھا کر کے اٹھائیں گے۔ وہ کہے گا: پروردگار! دنیا میں تو میں آنکھوں والا تھا' یہاں مجھے اندھا کیوں اُٹھایا؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ہاں اسی طرح تو ہماری آیات کو جبکہ تیرے پاس آئی تھیں' تو نے بھلا دیا تھا' اسی طرح آج تو بھلایا جا رہا ہے۔''

کتاب و سنت کی تعلیمات کے مطابق قرآن ہی نورِ مبین' ذکرِ حکیم اور صراطِ مستقیم ہے۔ اسی نور سے انسان کا ظاہر و باطن روشن ہوگا۔ پھر اسے حکمت عطا کی جائے گی اور وہ صراطِ مستقیم کو پالے گا۔ صراطِ مستقیم پر وہی لوگ چلتے ہیں جن کا قرآن اور اس کی تعلیمات پر ایمان پختہ ہوتا ہے۔ پھر وہ لوگ دوسروں کو بھی اس راستے پر لگانے کے لیے دل و جان سے بھرپور کوششیں کرتے ہیں۔ قرآن عظیم اللہ تعالیٰ کا عظیم کلام ہے۔ جن لوگوں نے اس دنیا میں اس کے ساتھ

وفاداری کی تو یہ قرآن مرنے کے بعد تنہائی میں قبر سے لے کر حشر تک بلکہ جنت تک اس آدمی کے ساتھ وفاداری کرتا رہے گا۔

قرآن سب سے بڑی دولت ہے

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ قَدۡ جَآءَتۡکُمۡ مَّوۡعِظَةٌ مِّنۡ رَّبِّکُمۡ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِی الصُّدُوۡرِ ۬ۙ وَهُدًی وَّرَحۡمَةٌ لِّلۡمُؤۡمِنِیۡنَ ﴿۵۷﴾ قُلۡ بِفَضۡلِ اللّٰهِ وَبِرَحۡمَتِهٖ فَبِذٰلِکَ فَلۡیَفۡرَحُوۡا ؕ هُوَ خَیۡرٌ مِّمَّا یَجۡمَعُوۡنَ ﴿۵۸﴾﴾ (یونس)

''اے لوگو تمہارے پاس آ گئی ہے نصیحت تمہارے رب کی طرف سے اور شفا دلوں کے روگ کی اور ہدایت اور رحمت مؤمنین کے لیے۔ اے نبیؐ! آپ کہہ دیجیے کہ یہ اللہ کا فضل اور اس کی مہربانی ہے (کہ یہ قرآن اُس نے بھیجا)' سو اسی پر ان کو خوش ہونا چاہیے۔ یہ بہتر ہے ان چیزوں سے (مال ودولت سے) جو لوگ جمع کرتے ہیں۔''

جسے یہ دولت مل جائے اسے تو یقیناً دونوں جہان کی دولت مل گئی۔ ہماری بدقسمتی یہ ہے کہ ہمیں یہ نعمت حاصل ہے لیکن ہم اس عظیم ترین نعمت کی قدر نہیں کرتے۔ اپنی زندگی اور اپنے وقت کو بہت لاپرواہی کے ساتھ فضول کاموں میں خرچ کر رہے ہیں۔ یہ دراصل شیطان کی اطاعت ہے' جو ہمیں اوہام و وساوس میں مبتلا کر کے قرآن سے دور کرتا ہے اور ہم اپنی کمزوری کے باعث اس کے دامِ فریب میں الجھ جاتے ہیں۔ یوں انسان کی ساری زندگی لہو ولعب میں بسر ہو جاتی ہے۔ لیکن ابھی ہم زندہ ہیں اور ہمارے پاس توبہ کی مہلت ہے۔ غفلت سے نکلنے کا موقع ہے۔ قرآن فرماتا ہے:

﴿وَاَنِیۡبُوۡۤا اِلٰی رَبِّکُمۡ وَاَسۡلِمُوۡا لَهٗ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ یَّاۡتِیَکُمُ الۡعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنۡصَرُوۡنَ ﴿۵۴﴾ وَاتَّبِعُوۡۤا اَحۡسَنَ مَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡکُمۡ مِّنۡ رَّبِّکُمۡ مِّنۡ قَبۡلِ اَنۡ یَّاۡتِیَکُمُ الۡعَذَابُ بَغۡتَةً وَّاَنۡتُمۡ لَا تَشۡعُرُوۡنَ ﴿۵۵﴾ اَنۡ تَقُوۡلَ نَفۡسٌ یّٰحَسۡرَتٰی عَلٰی مَا فَرَّطۡتُّ فِیۡ جَنۡۢبِ اللّٰهِ وَاِنۡ کُنۡتُ لَمِنَ السّٰخِرِیۡنَ ﴿۵۶﴾ اَوۡ تَقُوۡلَ لَوۡ اَنَّ اللّٰهَ هَدٰىنِیۡ لَکُنۡتُ مِنَ الۡمُتَّقِیۡنَ ﴿۵۷﴾ اَوۡ تَقُوۡلَ حِیۡنَ تَرَی الۡعَذَابَ لَوۡ اَنَّ لِیۡ کَرَّةً فَاَکُوۡنَ مِنَ الۡمُحۡسِنِیۡنَ ﴿۵۸﴾﴾ (الزمر)

''پلٹ آؤ اپنے رب کی طرف اور مطیع بن جاؤ قبل اس کے کہ تم پر عذاب آ جائے اور پھر

کہیں سے تمہیں مدد نہ مل سکے۔ اور پیروی اختیار کر لو اپنے ربّ کی بھیجی ہوئی کتاب کے بہترین پہلو کی قبل اس کے کہ تم پر اچانک عذاب آ جائے اور تم کو خبر بھی نہ ہو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ بعد میں کوئی شخص کہے افسوس میری اس تقصیر پہ جو میں اللہ کی جناب میں کرتا رہا' بلکہ میں تو الٹا مذاق اڑانے والوں میں شامل تھا۔ یا کہے کاش اللہ نے مجھے ہدایت بخشی ہوتی تو میں بھی متقیوں میں سے ہوتا۔ یا عذاب دیکھ کر کہے کاش اللہ سے مجھے ایک موقع اور مل جائے اور میں بھی نیک عمل کرنے والوں میں شامل ہو جاؤں۔''

تاریخ گواہ ہے کہ مسلمانوں نے جب تک معاشرتی' سیاسی' انفرادی اور اجتماعی زندگی میں قرآن سے وفا کی تو قرآن نے ان کو سہارا دیا۔ جب تک قرآن کی خاطر انہوں نے خود کو فنا کیا اور قرآن کے غلبے کے لیے جدوجہد کرتے رہے تو قرآن نے ان کو بے سہارا نہ چھوڑا' بلکہ اس دنیا میں سرخروئی' سرفرازی اور سربلندی سے ہمکنار کر دیا۔ لیکن جب اس کی تعلیمات کو نظر انداز کیا تو ذلت و رسوائی کو ہمارا مقدر بنا دیا گیا: ؎

وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہو کر
اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہو کر!

اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ اس مہلت کو غنیمت جانتے ہوئے مسلمانوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ اللہ کے حضور توبہ کر کے علم' عمل اور کردار میں اس کتابِ حکمت سے روشنی حاصل کریں اور اسی ایک کتاب کو ہمیشہ کے لیے اپنا رہنما بنا لیں۔

﴿كَلَّا اِنَّهٗ تَذْكِرَةٌ ﴿٥٤﴾﴾ (المدثر)

''دیکھو یہ (قرآن) تو صرف ایک نصیحت ہے' یاد دہانی ہے۔''

حواشی

(١) صحیح مسلم' کتاب صلاۃ المسافرین وقصرھا' باب فضل من یقوم بالقرآن ویعلمه......

(٢) سنن الترمذی' ابواب فضائل القرآن عن رسول اللهﷺ' باب ما جاء فی فضل القرآن۔

(٣) سنن الترمذی' ابواب المناقب عن رسول اللهﷺ' باب مناقب اهل بیت النبیؐ۔

(٤) صحیح مسلم' کتاب الحج' باب حجة النبیﷺ۔

(٥) مصنف ابن ابی شیبه' کتاب فضائل القرآن ' باب فی التمسك بالقرآن۔

البَیِّنہ سے مراد؟

حافظ محمد مشتاق ربانی

سورۃ البریّۃ (البیّنۃ / لَمۡ یَکُنِ الَّذِیۡنَ) کی پہلی آیت میں لفظ البَیِّنۃ وارد ہوا ہے جس کی جمع البیِّنات ہے۔ البیِّنۃ کے معنی روشن دلیل (The Clear Proof) کے ہیں‘ لیکن سوال یہ ہے کہ اس البیِّنۃ سے کیا مراد ہے؟ اس سلسلے میں چار مختلف آراء سامنے آتی ہیں جو ذیل میں بیان کی جارہی ہیں۔

(۱) نبی کریمﷺ کی ذاتِ اقدس

نبی کریمﷺ کا وجود اپنی ذات میں اپنی نبوت و رسالت پر اس حد تک روشن نشانی ہے کہ کسی دوسری دلیل کی حاجت نہیں رہی اور جو شخص بھی آپؐ کے اخلاق اور تعلیمات سے باخبر ہوا اسے یقین آ جاتا ہے کہ یہ ذات بلاشبہ رسالت کا حق رکھتی ہے۔ وہ مفسرین کرام جو البیّنۃ سے مراد آنجنابﷺ کی ذات لیتے ہیں ان میں الزمخشری‘ العکبری‘ الشوکانی‘ صاحبین تفسیر الجلالین‘ قاضی ثناء اللہ پانی پتی‘ سید امیر علی ملیح آبادی‘ ابوالکلام آزاد‘ سید قطب شہید‘ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی‘ احمد مصطفیٰ المراغی اور وھبۃ الزحیلی رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ شامل ہیں۔

(۲) القرآن الکریم

امام الشوکانی (ت ۱۲۵۰ھ) قتادہ اور ابن زید کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ البیِّنۃ سے مراد ''القرآن'' ہے‘ کیونکہ سورۂ طٰہٰ میں ہے:

﴿اَوَلَمۡ تَاۡتِہِمۡ بَیِّنَۃُ مَا فِی الصُّحُفِ الۡاُوۡلٰی﴿۱۳۳﴾﴾ (طٰہٰ)

''اور کیا ان کے پاس اگلے صحیفوں کی تمام تعلیمات کا بیان واضح نہیں آ گیا''۔(۱)

یعنی اس قرآن کریم میں شروع سے اب تک کی تمام کتب آسمانی کے مضامین اور تعلیمات کا خلاصہ نکال کر رکھ دیا گیا ہے۔

(۳) قرآن مجید یا نبی کریمﷺ کی بعثت

الفراء (ت ۲۰۷ھ) ''معانی القرآن'' میں اس سے آپﷺ کی بعثت اور قرآن مجید مراد لیتے ہیں[۲]۔ امام بیضاوی (ت ۶۹۱ھ) بھی اس سے رسول اللہﷺ یا قرآن کریم مراد لیتے ہیں[۳]۔

(۴) معجزہ جو فرشتہ لائے

امین احسن اصلاحی البیّنة سے واضح معجزہ اور ﴿رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ﴾ سے فرشتہ مراد لیتے ہیں۔ گویا اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی فرشتہ براہِ راست پاک اور اچھوتے اوراق پڑھتا ہوا اُترے جس میں نہایت واضح اور قطعی احکام موجود ہوں[۴]۔ یہ رائے امام الشوکانیؒ کی تفسیر ''فتح القدیر'' میں ابومسلم کے حوالے سے بھی نقل ہے۔[۵]

تمام مفسرین کرام رحمۃ اللہ علیہم کی آراء کی اگر کثرت کے اعتبار سے درجہ بندی کریں تو جمہور مفسرین کے نزدیک البیّنة سے مراد نبی کریمﷺ ہیں۔ اس صورت میں قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ کے نزدیک ﴿حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ﴾ (البیّنة:۱) کے معنی ''حَتّٰی اَتَتْهُمُ الْبَيِّنَةُ'' یعنی مضارع بمعنی ماضی ہے' جیسے سورۃ البقرۃ میں ہے ﴿مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ﴾ (البقرۃ:۱۰۲) بمعنی ''مَا تَلَتِ الشَّيَاطِيْنُ'' ہے جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے عہد میں شیاطین پڑھتے[۶]۔ اور ﴿رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ﴾ البیّنة کا بدل واقع ہو رہا ہے[۷]۔

نبی اکرمﷺ کی شخصیت اپنی نبوّت و رسالت پر اتنی بڑی روشن دلیل تھی کہ آپ کو ہر کوئی پہچانتا تھا۔ سورۃ البقرۃ میں فرمایا: ﴿يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ؕ﴾ (البقرۃ:۱۴۶) ''وہ ان کو ایسے پہچانتے ہیں جیسے اپنی اولاد کو پہچانتے ہیں''۔ یَعْرِفُوْنَهٗ میں ضمیر مفعول ''ہٗ'' آنحضورﷺ کی طرف لوٹ رہی ہے[۸]۔ اس دور کے لوگ آپﷺ کو کیونکر نہ پہچانتے جبکہ اس دور کے مذہبی لٹریچر میں آپﷺ کی واضح اور روشن علامات تھیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جو بشارت آپﷺ کے بارے میں دی تھی' اس کا ذکر خود قرآن میں ہے: ﴿وَمُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ ؕ﴾ (الصف:۶) ''اور بشارت دینے والا ہوں ایک رسول کی جو میرے بعد آئے گا جس کا نام احمد ہوگا''۔ سورۃ الاحزاب میں آپﷺ کے لیے ﴿وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا ﴿۴۶﴾﴾ (الاحزاب) ''اور روشن چراغ'' کے الفاظ آئے ہیں۔ اسی طرح آپﷺ کے لیے ﴿رَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ ﴿۲۹﴾﴾ (الزخرف) ''کھول کھول کر بیان کرنے والا ایک

رسول'' کے الفاظ آئے ہیں جن کا دوسرا مطلب یہ ہوسکتا ہے کہ ایسا رسول جس کا رسول ہونا بالکل ظاہر تھا' جس کی زندگی کا ہر دور صاف گواہی دے رہا تھا کہ وہ یقیناً اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ آپ ﷺ کا ایک نام قرآن مجید میں ''نور'' بھی آیا ہے' جیسا کہ قاضی عیاض الاندلسی اپنی کتاب ''الشفاء'' کی ''**فصل فی اسمائه** ﷺ'' میں ''النور'' ذکر کرتے ہیں۔ سورۃ المائدۃ میں ہے: ﴿**قَدْ جَآءَ كُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ**﴾ (المائدۃ) ''بے شک تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے نور اور روشن کتاب آ چکی ہے''۔ (۹)

گویا آپؐ ایک ایسی روشنی ہیں جن سے دنیا میں پھیلی تاریکی اور جہالت چھٹ گئی۔ امیر الشعراء احمد شوقی (ت ۱۹۳۲ م) اپنے قصیدہ ''**الھمزیة النبویة**'' کے پہلے شعر میں کہتے ہیں:

ولد الھدی فالکائنات ضیاء

وفم الزمان تبسّم و ثناء (۱۰)

''مجسمہ ہدایت کی پیدائش ہوئی اور کائنات روشن ہوگئی اور زمانہ سراپا مسکراہٹ اور مدح وثنا بن گیا''۔

معلوم ہوا اللہ تعالیٰ نے دیگر انبیاء کرام کو بینات و معجزات عطا کیے لیکن آنحضور ﷺ کی ذات کو ہی **البیّنة** قرار دے دیا۔ اللہ تعالیٰ دیگر انبیاء کرام کے بارے میں فرماتے ہیں:

﴿**لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ**﴾ (الحدید:۲۵)

'ہم نے اپنے رسولوں کو صاف صاف نشانیوں کے ساتھ بھیجا۔''

حضرت صالح علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا:

﴿**قَدْ جَاءَ تْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْٓ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ**﴾ (الاعراف)

''تمہارے پاس تمہارے ربّ کی طرف سے کھلی دلیل آ گئی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی اونٹنی تمہارے لیے ایک نشانی کے طور پر ہے' لہٰذا اسے چھوڑ دو کہ اللہ تعالیٰ کی زمین میں چرتی پھرے۔ اس کو کسی برے ارادے سے ہاتھ نہ لگانا ورنہ ایک دردناک عذاب تمہیں آ لے گا۔''

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں فرمایا گیا:

﴿**وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى تِسْعَ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ**﴾ (بنی اسراءیل:۱۰۱)

''ہم نے موسٰیؑ کو نو نشانیاں عطا کی تھیں جو صریح طور پر دکھائی دے رہی تھیں۔''

حضرت عیسٰی علیہ السلام نے بنی اسرائیل سے کہا:

﴿...... اَنِّیۡ قَدۡ جِئۡتُکُمۡ بِاٰیَۃٍ مِّنۡ رَّبِّکُمۡ ۙ اَنِّیۡۤ اَخۡلُقُ لَکُمۡ مِّنَ الطِّیۡنِ کَہَیۡـَٔۃِ الطَّیۡرِ فَاَنۡفُخُ فِیۡہِ فَیَکُوۡنُ طَیۡرًۢا بِاِذۡنِ اللّٰہِ ۚ وَاُبۡرِئُ الۡاَکۡمَہَ وَالۡاَبۡرَصَ وَاُحۡیِ الۡمَوۡتٰی بِاِذۡنِ اللّٰہِ ۚ وَاُنَبِّئُکُمۡ بِمَا تَاۡکُلُوۡنَ وَمَا تَدَّخِرُوۡنَ ۙ فِیۡ بُیُوۡتِکُمۡ ؕ﴾ (آل عمران:٤٩)

''میں تمہارے ربّ کی طرف سے تمہارے پاس نشانی لے کر آیا ہوں۔ میں تمہارے سامنے مٹی سے پرندے کی صورت کا ایک مجسمہ بناتا ہوں اور اس میں پھونک مارتا ہوں' وہ اللہ کے حکم سے پرندہ بن جاتا ہے۔ میں اللہ کے حکم سے مادرزاد اندھے اور کوڑھی کو اچھا کرتا ہوں اور اس کے اذن سے مردے کو زندہ کرتا ہوں۔ میں تمہیں بتاتا ہوں کہ تم کیا کھاتے ہو اور کیا اپنے گھروں میں ذخیرہ کر کے رکھتے ہو۔''

یعنی اس طرح ہر نبی کو اپنے اپنے عہد کے اعتبار سے بینات و معجزات عطا کیے گئے' لیکن آنحضور ﷺ کی ذات کو ہی ''البیّنۃ'' بنا کر پیش کر دیا گیا۔ اہل مکہ کا مطالبہ بھی ہوتا تھا کہ آپؐ ہمارے لیے کوئی واضح معجزہ لائیں' لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے سامنے آنجناب ﷺ کو اپنی ذات اور قرآن حکیم ہی پیش کرنے کے لیے کہا۔ سورۂ بنی اسرائیل میں فرمایا:

﴿وَقَالُوۡا لَنۡ نُّؤۡمِنَ لَکَ حَتّٰی تَفۡجُرَ لَنَا مِنَ الۡاَرۡضِ یَنۡۢبُوۡعًا ﴿۹۰﴾ اَوۡ تَکُوۡنَ لَکَ جَنَّۃٌ مِّنۡ نَّخِیۡلٍ وَّعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الۡاَنۡہٰرَ خِلٰلَہَا تَفۡجِیۡرًا ﴿۹۱﴾ اَوۡ تُسۡقِطَ السَّمَآءَ کَمَا زَعَمۡتَ عَلَیۡنَا کِسَفًا اَوۡ تَاۡتِیَ بِاللّٰہِ وَالۡمَلٰٓئِکَۃِ قَبِیۡلًا ﴿۹۲﴾ اَوۡ یَکُوۡنَ لَکَ بَیۡتٌ مِّنۡ زُخۡرُفٍ اَوۡ تَرۡقٰی فِی السَّمَآءِ ؕ وَلَنۡ نُّؤۡمِنَ لِرُقِیِّکَ حَتّٰی تُنَزِّلَ عَلَیۡنَا کِتٰبًا نَّقۡرَؤُہٗ ؕ قُلۡ سُبۡحَانَ رَبِّیۡ ہَلۡ کُنۡتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوۡلًا ﴿۹۳﴾﴾

''اور انہوں نے کہا ہم تمہاری بات نہ مانیں گے جب تک کہ تم ہمارے لیے زمین کو پھاڑ کر ایک چشمہ جاری نہ کر دو' یا تمہارے لیے کھجوروں اور انگوروں کا ایک باغ پیدا ہو اور تم اس میں نہریں رواں کر دو' یا تم آسمان کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے ہمارے اوپر گرا دو جیسا کہ تمہارا دعویٰ ہے' یا اللہ اور فرشتوں کو رُو در رُو ہمارے سامنے لے آؤ' یا تمہارے لیے سونے کا ایک گھر بن جائے' یا تم آسمان پر چڑھ جاؤ' اور تمہارے چڑھنے کا بھی ہم

یقین نہ کریں گے جب تک کہ تم ہمارے اوپر ایک ایسی تحریر نہ اتار لاؤ جسے ہم پڑھیں۔
اے نبیﷺ ان سے کہو پاک ہے میرا پروردگار! کیا میں ایک پیغام لانے والے انسان کے سوا اور بھی کچھ ہوں!''

یہاں دیکھئے کہ اہل مکہ نے اپنے ایمان لانے کو مختلف مطالبات کے پورا کرنے کے ساتھ مشروط کیا' لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے شدید تقاضوں کے مقابلے میں صرف آنجنابﷺ کی عظیم شخصیت کو پیش کیا۔ اس بات کا یہ مطلب نہ سمجھا جائے کہ آپﷺ کو معجزات عطا نہیں کیے گئے تھے' بلکہ اصل بات یہ تھی کہ کفار و مشرکین کے جو مطالبات تھے ان کو پورا کرنے کے بجائے آپﷺ کی ذات کی عظمت کو متعارف کروایا گیا۔

یہ بات یہاں تک ہی محدود نہیں کہ آپﷺ کی ذاتِ اقدس فی نفسہٖ ایک روشن دلیل تھی' بلکہ اس سے آگے بڑھ کر قرآن حکیم میں آپﷺ کے بارے میں ''یُبَیِّنُ'' فعل آیا ہے کہ آپؐ نے تمام حقیقتوں کو کھول کر بیان کر دیا' جو فترت کے زمانہ میں چھپ گئی تھیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿یٰۤاَهۡلَ الۡکِتٰبِ قَدۡ جَآءَکُمۡ رَسُوۡلُنَا یُبَیِّنُ لَکُمۡ عَلٰی فَتۡرَۃٍ مِّنَ الرُّسُلِ اَنۡ تَقُوۡلُوۡا مَا جَآءَنَا مِنۡۢ بَشِیۡرٍ وَّلَا نَذِیۡرٍ ۫ فَقَدۡ جَآءَکُمۡ بَشِیۡرٌ وَّنَذِیۡرٌ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ﴿۱۹﴾﴾ (المائدة)

''اے اہل کتاب! تمہارے پاس ہمارا رسول حقیقت واضح کرنے کے لیے' رسولوں کا سلسلہ ایک مدت تک بند رہنے کے بعد' آ گیا ہے' تاکہ تم یہ نہ کہہ سکو کہ ہمارے پاس نہ کوئی بشارت دینے والا آیا نہ خبردار کرنے والا۔ پس اب تمہارے پاس بشارت دینے والا اور خبردار کرنے والا آ گیا ہے۔ اور اللہ ہر شے پر قدرت رکھنے والا ہے''۔

اسی طرح آنجنابﷺ نے ان حقائق کو واضح کر دیا جن کو اہل کتاب ایک عرصہ سے چھپاتے آ رہے تھے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿یٰۤاَهۡلَ الۡکِتٰبِ قَدۡ جَآءَکُمۡ رَسُوۡلُنَا یُبَیِّنُ لَکُمۡ کَثِیۡرًا مِّمَّا کُنۡتُمۡ تُخۡفُوۡنَ مِنَ الۡکِتٰبِ وَیَعۡفُوۡا عَنۡ کَثِیۡرٍ ؕ﴾ (المائدة:۱۵)

''اے اہل کتاب! ہمارا رسول تمہارے پاس آ گیا ہے' جو کتابِ الٰہی کی بہت سی ان باتوں کو تمہارے پاس کھول رہا ہے جن پر تم پردہ ڈالا کرتے تھے' اور بہت سی باتوں سے

درگزر بھی کر جاتا ہے (جن کے کھولنے کی حقیقی ضرورت نہ تھی)''۔

گویا اہل کتاب اور مشرکین کے پاس حالت کفر سے نکلنے کی اس کے سوا کوئی صورت نہ تھی کہ ایک بیّنۃ (روشن دلیل) انہیں غلط راستے کے بارے میں آگاہ کرے اور نہایت واضح اور مدلل انداز میں حق کا راستہ دکھائے۔ آنحضورﷺ کی آمد سے قبل تمام مشرکین اس حد تک بگڑ چکے تھے کہ وہ کسی کے سمجھانے سے راہِ ہدایت پر آنے کے لیے تیار نہ تھے' جب تک ایک رسولِ مبین انہیں اللہ کی کتاب پڑھ کر نہ سنائے۔ اس بارے میں علامہ شبیر احمد عثمانیؒ لکھتے ہیں:

''آنحضرتﷺ کی بعثت سے پہلے سب دین والے بگڑ چکے تھے اور ہر ایک اپنی غلطی پر مغرور تھا۔ اب چاہیے' کسی حکیم یا ولی یا بادشاہ عادل کے سمجھانے سے راہ پر آ جائیں تو یہ ممکن نہ تھا جب تک ایک ایسا عظیم القدر رسول نہ آئے جس کے ساتھ اللہ کی پاک کتاب' اس کی قوی مدد ہو' کہ چند سال میں ایک ایک ملک کو ایمان کی روشنی سے بھر دے اور اپنی زبردست تعلیم اور ہمت وعزیمت سے دنیا کی کایا پلٹ کر دے۔ چنانچہ وہ رسول اللہ تعالیٰ کی کتاب پڑھتا ہوا آیا جو پاک ورقوں میں لکھی ہوئی ہے۔''(۱۱)

آپﷺ کی وجہ سے ہی عربوں کی زندگیوں میں بہار آئی' ان کی زندگی عقائد سے لے کر سیاست تک یکسر بدل گئی۔ اس لیے کہ آپﷺ کی زندگی ان کے لیے ایک واضح حجت کی حیثیت رکھتی تھی۔ مولانا مودودی ''تفہیم القرآن'' میں لکھتے ہیں:

''یہاں رسول اللہﷺ کو بذاتِ خود ایک دلیل روشن کہا گیا ہے' اس لیے کہ آپﷺ کی نبوت سے پہلے کی اور بعد کی زندگی' آپﷺ کا اُمّی ہونے کے باوجود قرآن جیسی کتاب پیش کرنا' آپ کی تعلیم اور صحبت کے اثر سے ایمان لانے والوں کی زندگیوں میں غیر معمولی انقلاب رونما ہو جانا' آپ کا بالکل معقول عقائد' نہایت ستھری عبادات' کمال درجہ کے پاکیزہ اخلاق' اور انسانی زندگی کے لیے بہترین اصول و احکام کی تعلیم دینا' آپ کے قول اور عمل میں پوری پوری مطابقت کا پایا جانا' اور آپ کا ہر قسم کی مزاحمتوں اور مخالفتوں کے مقابلے میں انتہائی اولوالعزمی کے ساتھ اپنی دعوت پر ثابت قدم رہنا' یہ ساری باتیں اس بات کی کھلی علامات تھیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں''۔(۱۲)

ہمیں چاہیے کہ ہم ہر مسئلہ میں آپﷺ کی زندگی ہی سے راہنمائی لیں' اس لیے کہ آپؐ ایک مجسم قرآن ہیں۔ اگر ہم اس روشن چراغ سے روشنی لیں گے تو زندگی میں نکھار پیدا ہوگا'

کیونکہ دنیا میں جہاں کوئی اچھائی ہے تو آپ ﷺ ہی کی روشنی کی وجہ سے ہے' اور ابھی تک جہاں کہیں تاریکی اور جہالت ہے وہاں دراصل آپ ؐ کی روشنی کے حصول کے لیے ابھی جستجو جاری ہے۔ جیسا کہ علامہ اقبال فرماتے ہیں:

ہر کجا بینی جہانِ رنگ و بو
آں کہ از خاکش بروید آرزو
یا زنورِ مصطفیٰ او را بہاست
یا ہنوز اندر تلاشِ مصطفیٰ است (۱۳)

حواشی

(۱) الشّوکانی' فتح القدیر' ج۵' ص ۴۷۵۔
(۲) الفرّاء' معانی القرآن' ج۳' ص ۲۸۱۔
(۳) البیضاوی' تفسیر البیضاوی' ج۴' ص ۴۳۹۔
(۴) امین احسن اصلاحی' تدبر قرآن' ج۹' ص ۴۸۰۔
(۵) الشوکانی' فتح القدیر' ج۵' ص ۴۷۵۔
(۶) ثناء اللہ پانی پتی' التفسیر المظھری' ج۷' ص ۴۵۷۔
(۷) بھجت عبدالواحد الشیخلی' بلاغۃ القرآن الکریم فی الاعجاز' ج۱۰' ص ۶۷۱۔
(۸) **یَعۡرِفُوۡنَـہٗ** میں ضمیر مفعولی کا مرجع آنحضور ﷺ کے علاوہ قرآن مجید اور بیت اللہ کے بطور قبلہ ہونے کی طرف ہوسکتا ہے' لیکن اکثر مفسرین کرام نے آنحضور ﷺ کی طرف ہونے کو ترجیح دی ہے۔
(۹) القاضی عیاض بن موسیٰ الاندلسی' الشفاء بتعریف حقوق المصطفی' ج۱' ص ۱۵۱۔
(۱۰) قاضی محمد مبارک' شرح الھمزیۃ النبویۃ' ص ۱۷۔
(۱۱) شبیر احمد عثمانی' تفسیر عثمانی' سورۃ البیّنۃ کی **آیت ۲** کا حاشیہ ۲' ص ۷۹۸۔
(۱۲) ابوالاعلیٰ مودودی' تفہیم القرآن' ج۶' ص ۴۱۴۔
(۱۳) جاوید نامہ' ص ۷۱۶/۱۲۸۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی سیرت و کردار

پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

آپؓ کا نام عبداللہ تھا اور کنیت ابوبکر۔ کنیت کی شہرت نام پر غالب رہی۔ صدیق اور عتیق دو لقب رسول اللہ ﷺ سے پائے۔ جن دس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو آپؐ نے زندگی میں جنت کی بشارت دی، جنہیں ''عشرۂ مبشرہ'' کہا جاتا ہے، ان میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا نام سرفہرست ہے۔ آپؓ رسول اللہ ﷺ کے بچپن کے دوست اور سلیم الفطرت انسان تھے۔ آزاد مردوں میں آپ نے سب سے پہلے اسلام قبول کیا (فتح الباری)۔ آپؓ کی فضیلت کا ذکر زبانِ حق ترجمان سے بکثرت موجود ہے۔ آپؓ کی فضیلت میں کئی آیات نازل ہوئیں جن کی تلاوت تا قیامِ قیامت ہوتی رہے گی۔ آپؓ ہر کٹھن موقع پر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہے اور کفار سے ایذائیں برداشت کرتے رہے۔ آپؓ نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رفاقت کا حق ادا کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے خود اس بات کا اعتراف کر کے حضرت ابوبکر کو سندِ فضیلت عطا فرما دی کہ ''کوئی ایسا شخص نہیں ہے جس نے ہمارے ساتھ حسن سلوک کیا ہو یا ہمیں کچھ دیا ہو اور ہم نے اس کا بدلہ نہ چکا دیا ہو، سوائے ابوبکر کے۔ انہوں نے ہمارے ساتھ جو حسن سلوک کیا اس کا بدلہ اللہ تعالیٰ ہی قیامت کے دن دے گا۔ اور کسی شخص کا مال بھی اتنا میرے کام نہیں آیا جتنا ابوبکر کا مال کام آیا......'' (جامع ترمذی)

اصحابِ رسول اگرچہ سب کے سب صحابیت کے شرف سے مشرف تھے تاہم ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی امتیازی حیثیت کو وہ بھی تسلیم کرتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ''ابوبکر ہمارے سردار ہیں۔ وہ ہم میں سب سے بہتر اور افضل ہیں اور رسول اللہ ﷺ کو ہم میں سے سب سے زیادہ محبوب ہیں''۔ (ترمذی)

ایک موقعہ پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ایسے لوگوں کے لیے جن میں ابوبکر موجود ہوں مناسب اور درست نہیں کہ ابوبکر کے سوا کوئی دوسرا شخص ان کا امام ہو''۔ (جامع ترمذی)

یہ فرمانِ رسولؐ اس بات پر سند کی حیثیت رکھتا ہے کہ رسول اللہﷺ کے بعد خلافت کے حق دار ابوبکر ہی تھے۔ چنانچہ مشاورت میں یہی طے پایا اور وہی آپﷺ کے بعد خلیفہ بنے۔ اس طرح کا اشارہ آپؐ نے اس وقت بھی دیا جب ایک عورت آپﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کچھ دریافت کرنا چاہا۔ آپؐ نے فرمایا: ''پھر کبھی آنا''۔ اس عورت نے عرض کیا کہ اگر میں پھر آؤں اور آپؐ کو نہ پاؤں تو میں کیا کروں؟ آپؐ نے فرمایا: ''اگر تم مجھے نہ پاؤ تو ابوبکر کے پاس آ جانا''۔ (صحیحین) اس طرح آپﷺ نے ابوبکرؓ کو اپنا نائب قرار دے دیا۔

ایک دو نہیں بلکہ کئی موقعوں پر آپﷺ نے ابوبکر صدیقؓ کی فضیلت بیان فرمائی جس سے صاف ظاہر ہوتا تھا کہ آپؐ کی وفات کے بعد خلافت کا بار اٹھانے کے لیے حضرت ابوبکر صدیق سے موزوں تر کوئی شخصیت نہ تھی۔ حضرت محمد بن حنفیہؒ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد ماجد حضرت علیؓ سے دریافت کیا کہ اُمت میں رسول اللہﷺ کے بعد سب سے بہتر اور افضل کون ہے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ ابوبکر۔ میں نے کہا ان کے بعد کون؟ تو انہوں نے فرمایا کہ عمر۔ محمد بن حنفیہ کہتے ہیں کہ پھر مجھے خطرہ پیدا ہوا (کہ اگر میں اسی طرح دریافت کروں کہ عمر کے بعد کون؟) تو یہ نہ کہہ دیں کہ عثمانؓ۔ (اس لیے میں نے اس طرح سوال کیا) پھر عمر کے بعد آپؓ؟ تو انہوں نے فرمایا کہ میں تو مسلمانوں میں کا ایک آدمی ہوں''۔ (صحیح بخاری)

حضرت علیؓ کے الفاظ سے جہاں اُن کی اخلاقی بلندی کا اظہار ہو رہا ہے وہاں حقیقت حال بھی عیاں ہے' کیونکہ شیخین کی تمام دوسرے صحابہ کرامؓ پر فضیلت احادیث رسول کی روشنی میں مسلمہ ہے۔ حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہﷺ نے ارشاد فرمایا: ''میں نہیں جانتا کہ میں کب تک تم لوگوں میں باقی رہوں گا' پس (جب میرا وصال ہو جائے تو) تم میرے بعد ان دونوں ابوبکر اور عمر (رضی اللہ عنہما) کی اقتدا کرنا''۔ (ترمذی)

یہ امر مسلّم ہے کہ رسول اللہﷺ کے فرامین خواہش نفس کے تابع نہیں ہوتے بلکہ ان کی زبان تو وحی کی ترجمان ہوتی ہے' کیونکہ خود قرآن مجید میں آیا ہے کہ: ﴿وَمَا يَنۡطِقُ عَنِ الۡهَوٰی ۞ اِنۡ هُوَ اِلَّا وَحۡیٌ يُّوۡحٰی ۞﴾ (النجم) ''وہؐ خواہش نفس سے بات نہیں کرتے وہ تو وہی فرماتے ہیں جو اللہ کی طرف سے وحی کی جاتی ہے''۔

مذکورہ بالا حدیث کی تائید میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی فیصلہ کن بات ملاحظہ ہو۔ وہ فرماتے ہیں ''ہم لوگ رسول اللہﷺ کے زمانے میں ابوبکرؓ کے برابر کسی کو نہیں سمجھتے تھے۔ ان

کے بعد عمرؓ ان کے بعد عثمان۔ پھر ہم رسول اللہﷺ کے تمام اصحاب کو چھوڑ دیتے تھے۔ ان کے درمیان ایک کو دوسرے پر فضیلت نہیں دیتے تھے''۔ (صحیح بخاری)

ظاہر ہے عبداللہ بن عمرؓ کی یہ رائے حضورﷺ کے طرزِ عمل کو دیکھ کر ہی تھی۔ کیونکہ حضرت ابوبکر کے حق میں اسی طرح کی فضیلت کئی مرتبہ رسول اللہﷺ بیان فرما چکے تھے۔

جب رسول اللہﷺ کے لیے قریش مکہ کی شدید مخالفت کی وجہ سے مکہ میں رہنا ممکن نہ رہا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں مدینہ کی طرف ہجرت کا حکم دیا۔ چنانچہ یہ حکم پا کر آپ سیدھے حضرت ابوبکرؓ کے ہاں گئے جو آپؐ کے سچے جاں نثار اور راز داں تھے اور اُن کو رفیق سفر بنایا۔ دونوں دوست روانہ ہوئے۔ حضرت عائشہ اور حضرت اسماء رضی اللہ عنہما نے رختِ سفر تیار کیا۔ جلدی میں توشہ دان باندھنے کو کوئی چیز نہ ملی تو حضرت اسماء نے اپنے کمر بند کو پھاڑ کر دو ٹکڑے کیے۔ اس پر آپﷺ نے حضرت اسماء کو ''ذات النطاقین'' کا نام دیا۔ قریش نے آپﷺ کا پیچھا کیا اور گرفتاری پر انعام کا اعلان کیا۔ کئی لوگ آپﷺ کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔ آپؐ مکہ مکرمہ کے قریب ثور پہاڑ کے ایک غار میں تین دن تک روپوش رہے۔ اس خطرناک گھڑی میں ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ کے ساتھ رہے۔ اس واقعے کا ذکر خود قرآن مجید میں بایں الفاظ مذکور ہے:

﴿اِلَّا تَنۡصُرُوۡهُ فَقَدۡ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذۡ اَخۡرَجَهُ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا ثَانِيَ اثۡنَيۡنِ اِذۡ هُمَا فِى الۡغَارِ اِذۡ يَقُوۡلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحۡزَنۡ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا‌ۚ فَاَنۡزَلَ اللّٰهُ سَكِيۡنَتَهٗ عَلَيۡهِ......﴾ (التوبۃ: ۴۰)

''اگر تم نہ مدد کرو گے رسول کی تو اس کی مدد کی ہے اللہ نے جس وقت نکالا تھا اس کو کافروں نے' اُس وقت وہ دو ہی شخص تھے جن میں (ایک ابوبکر تھے) دوسرے (خود رسول اللہﷺ) جب وہ دونوں غار (ثور) میں تھے اس وقت پیغمبر اپنے رفیق کو تسلی دیتے تھے کہ غم نہ کر اللہ ہمارے ساتھ ہے' تو اللہ نے ان پر تسکین نازل فرمائی......''

غار میں قیام کے دوران رسول اللہﷺ کی رفاقت وہ بڑی فضیلت ہے جو کسی دوسرے صحابی کو نصیب نہ ہو سکی۔ آپﷺ کے ساتھ ابوبکر کی ان رفاقتوں کا ذکر کرتے ہوئے آپؐ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

((اَنۡتَ صَاحِبِىۡ فِى الۡغَارِ وَصَاحِبِىۡ عَلَى الۡحَوۡضِ)) (ترمذی)

''تم غار میں میرے ساتھی تھے اور آخرت میں حوضِ کوثر پر بھی میرے ساتھی ہو گے''۔

آپ ﷺ کے جاں نثار تو اور بھی بہت تھے مگر سفر ہجرت میں آپ کے ساتھ مصاحبت کے شرف میں ابوبکر کا کوئی ہمسر نہیں۔ سورۃ التوبۃ کی آیت ۴۰ کی تفسیر کا مطالعہ کریں تو وہاں ابوبکرؓ کی صحابیت کو خالق کائنات کی سند مل چکی ہے' کیونکہ وہاں صاحبہٖ کے الفاظ ہیں کہ آپؐ نے اپنے صاحب کو کہا اور وہ صاحب بلاشرکت غیرے ابوبکر ہی تھے۔ ابوبکرؓ کی یہ وہ فضیلت ہے کہ حضرت عمر اپنی تمام زندگی کی نیکیوں کے بدلے میں حضرت ابوبکر کی اس رات کا اجر لینے کے خواہش مند تھے۔ (بحوالہ معارف الحدیث' جلد ہشتم' ص ۲۲۸' حدیث ۱۴۴)

عشرۂ مبشرہ میں حضرت ابوبکر کا نام سب سے اوپر ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جبریل امین میرے پاس آئے' میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے جنت کا وہ دروازہ دکھلایا جس سے میری اُمت جنت میں داخل ہوگی''۔ (یہ سن کر) ابوبکرؓ نے عرض کیا: حضورؐ! میرے دل میں یہ آرزو پیدا ہوئی کہ میں بھی اس وقت حضورؐ کے ساتھ ہوتا اور میں بھی اس دروازہ کو دیکھتا۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''ابوبکر! تم کو معلوم ہونا چاہیے کہ میری اُمت میں سب سے پہلے تم جنت میں داخل ہوگے''۔ (سنن ابی داؤد) ہوسکتا ہے جبریلؑ کی یہ آمد شب معراج میں ہو یا کسی اور وقت معراج کی طرح کا یہ ملاءِ اعلیٰ کا سفر ہو یا کشف کے طور پر جبریل سے آپؐ کی ملاقات ہوئی ہو۔ تاہم جب ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ بات سنی تو خواہش ظاہر کی کہ کاش میں بھی اس وقت آپ کے ساتھ ہوتا اور جنت کا وہ دروازہ دیکھ لیتا۔ اس کے جواب میں رسول اللہ ﷺ نے آپ کو وہ خوشخبری سنائی جو اس حدیث میں مذکور ہے' یعنی ابوبکر! سن رکھو میری اُمت میں سے سب سے پہلے تم جنت میں داخل ہوگے۔

ہجرتِ مدینہ کے بعد جب غزوات کا سلسلہ شروع ہوا تو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ان سب لڑائیوں میں رسول اللہ ﷺ کے مشیر اور ہم رکاب رہے۔ غزوۂ بدر حق و باطل کے درمیان پہلا فیصلہ کن معرکہ تھا۔ اس غزوہ میں ابوبکر تیغ بکف رسول اللہ ﷺ کی حفاظت پر مامور رہے' جو بھی بری نیت سے آپؐ کی طرف آتا ابوبکر رضی اللہ عنہ کمالِ شجاعت سے اسے بھگا دیتے۔ (زرقانی' جلد ۱)

اس معرکے میں مسلمانوں کو قلیل تعداد اور بے سروسامانی کے باوجود فتح مبین حاصل ہوئی۔ مالِ غنیمت کے علاوہ تقریباً ستر قیدی مسلمانوں کے ہاتھ آئے۔ آپؐ نے صحابہؓ کے ساتھ مشورہ کیا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رائے یہ تھی کہ یہ سب اپنے ہی بھائی بند ہیں' ان کے ساتھ نرمی کا

برتاؤ کرنا چاہیے اور فدیہ کی ادائیگی کی شرط پر ان کو آزاد کر دینا چاہیے۔ رسول اللہ ﷺ کی بھی یہی رائے تھی ۔ (صحیح مسلم) چنانچہ اسی رائے کے مطابق عمل کیا گیا۔ (اگرچہ اللہ تعالیٰ کے ہاں پسندیدہ تر رائے عمر فاروق کی تھی کہ ان سب کو تہہ تیغ کرنا چاہیے تاکہ کفار پر اسلام کی دھاک بیٹھ جائے اور وہ آئندہ کے لیے کبھی مقابلے کی جرأت نہ کریں۔ سورۃ الانفال: ۶۸)

جنگ اُحد میں ابتدائی ہزیمت کے بعد جب مجاہدین دوبارہ صف آرا ہوئے اور کفارِ مکہ بھاگ کھڑے ہوئے تو جس جماعت نے ان کا تعاقب کیا اس میں ابوبکر بھی شامل تھے۔ (بخاری) اس طرح بعد میں ہونے والے تمام غزوات میں آپ شریک ہو کر دادِ شجاعت دیتے رہے۔

چھ ہجری میں غزوۂ بنی مصطلق پیش آیا۔ اس میں ابوبکرؓ رسول اللہ ﷺ کے ہم رکاب تھے۔ واپسی پر مجاہدین شب کے وقت مدینہ کے قریب اترے۔ اُمّ المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اس سفر میں آپؐ کے ساتھ تھیں۔ صبح جب وہاں سے کوچ کیا تو اُمّ المؤمنین باہر گئی ہوئی تھیں۔ واپس آئیں تو لشکر کوچ کر چکا تھا۔ چنانچہ پریشان اور غمگین پڑاؤ کی جگہ پر لیٹ گئیں۔ حضرت صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ عمر رسیدہ صحابی تھے جو کوچ کے بعد قیام گاہ کا جائزہ لے کر سب سے آخر میں روانہ ہوتے تھے۔ انہوں نے جب اُمّ المؤمنینؓ کو دیکھا تو احترام کے ساتھ اونٹ پر سوار کر کے انہیں مدینہ لے آئے۔ منافقین تو ہمہ وقت فتنہ پردازی کے لیے تیار رہتے تھے۔ چنانچہ اس واقعہ کو بھی انہوں نے غلط رنگ میں اچھالا۔ حضرت عائشہ اور ابوبکر رضی اللہ عنہما دونوں کو رسول اللہ ﷺ کے ہاں غیر معمولی تقرب تھا جس کی وجہ سے بعض مسلمانوں کو بھی زبان کھولنے کی ہمت ہوگئی۔ غضب یہ ہوا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ایک عزیز مسطحؓ بن اثاثہ جس کی آپ کفالت کرتے تھے وہ بھی اس سازش میں منافقین کا ہم نوا ہو گیا۔ اس بات پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو سخت افسوس ہوا۔ اس واقعہ کی حقیقت سورۃ النور کے دوسرے رکوع میں بایں الفاظ بیان کر کے اس کو بہتان عظیم قرار دیا گیا:

> ''جن لوگوں نے (حضرت عائشہ پر) تہمت لگائی وہ تمہاری ہی جماعت سے ہیں۔ اس کو تم اپنے لیے شر نہ سمجھو بلکہ وہ تمہارے لیے خیر ہے۔ ان میں ہر شریک گناہ کو بقدرِ شرکت سزا ملے گی' اور ان میں سے جس نے بہت زیادتی کی ہے اس پر سخت عذاب ہو گا...... جب تم نے یہ بات سنی تھی تو تم نے یوں کیوں نہ کہہ دیا کہ ہم اس لائق نہیں کہ

ایسی بات زبان پر لائیں۔ اللہ پاک ہے، یہ تو بڑا بہتان ہے‘‘۔

چنانچہ جب آسمانوں سے بھی حضرت عائشہؓ پر الزام کو بہتانِ عظیم کہہ دیا گیا تو حضرت ابوبکرؓ کو مسطحؓ پر ناراضی ہوئی اور انہوں نے اس کی کفالت سے ہاتھ کھینچ لیا۔ اس پر یہ آیات نازل ہوگئیں:

﴿وَلَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنكُمْ وَالسَّعَةِ أَن يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۖ وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا ۗ أَلَا تُحِبُّونَ أَن يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٢٢﴾﴾ (النور)

’’تم میں فضیلت والے اور صاحب حیثیت لوگ رشتہ داروں، مسکینوں اور مہاجرین فی سبیل اللہ کو نہ دینے کی قسم نہ کھائیں، اور چاہیے کہ انہیں معاف کر دیں اور ان سے درگزر کریں، کیا تم یہ نہیں چاہتے کہ اللہ تم کو بخش دے؟ اور اللہ بڑا بخشنے والا رحمت والا ہے‘‘۔

اس پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگی اور مسطحؓ کی کفالت خوشدلی کے ساتھ بحال کر دی۔ ان آیات میں جہاں ابوبکر رضی اللہ عنہ کو صاحب مال کہا گیا ہے وہاں انہیں صاحب فضیلت بھی تسلیم کیا گیا ہے اور خالق کائنات کی طرف سے ان کے حق میں یہ بہت بڑا اعزاز ہے۔

۷ھ میں خیبر پر فوج کشی ہوئی۔ اس مہم پر ابوبکر رضی اللہ عنہ کو سپہ سالار مقرر کیا گیا تھا مگر کامیابی نہ ہو سکی۔ بعد ازاں خیبر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں فتح ہوا۔ (صحیح مسلم)

قریش نے عہد شکنی کرتے ہوئے صلح حدیبیہ کا معاہدہ توڑا تو رسول اللہ ﷺ دس ہزار کے لشکر کے ساتھ مکہ روانہ ہوئے۔ مسلمان بڑے عزت و وقار کے ساتھ مکہ میں داخل ہوئے۔ حضرت ابوبکرؓ بھی آپ ﷺ کے ساتھ تھے۔ اسی موقع پر ابوبکرؓ نے اپنے ضعیف العمر باپ ابوقحافہ کو حضور کی خدمت میں حاضر کیا۔ آپؐ نے فرمایا: ان کو کیوں تکلیف دی ہے، میں خود ان کے پاس چلا جاتا۔ پھر آپؐ نے ان کے سینہ پر ہاتھ پھیرا اور مشرف بہ اسلام کیا۔ (اصابہ)

رجب ۹ھ میں حالات کا تقاضا ہوا کہ آپ ﷺ تبوک کا قصد کریں۔ یہ زمانہ عسرت اور تنگ حالی کا تھا۔ جنگی تیاری کے سلسلہ میں آپؐ نے انفاق فی سبیل اللہ کی ترغیب دی۔ تمام صحابہؓ نے حسب توفیق حصہ لیا۔ مگر تاریخ کا یہ واقعہ مشہور ہے کہ اس موقع پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنے گھر کا تمام اثاثہ لے کر حاضر ہوگئے۔ جب آپؐ سے پوچھا گیا کہ اہل و عیال کے لیے کیا چھوڑ آئے ہو تو عرض کی کہ ان کے لیے اللہ اور اس کا رسول کافی ہے۔ (سنن ابی داؤد، ج ۱، ص ۲۰)

۹ھ میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو امیر حج بنا کر مکہ روانہ کیا۔ بعدازاں سورۃ التوبۃ کی آیات نازل ہوئیں جن میں مشرکین سے ان الفاظ میں اظہارِ براءت کیا گیا تھا:

﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْمُشْرِکُوْنَ نَجَسٌ فَلَا یَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِھِمْ ھٰذَا﴾ (التوبۃ:۲۸)

''اے اہل ایمان! مشرک تو پلید ہیں' پس اب وہ اس سال کے بعد مسجد حرام کے نزدیک نہ آنے پائیں''۔

چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مکہ روانہ کیا تاکہ وہ حج کے موقع پر یہ اعلانِ عام کر دیں۔ جب حضرت علیؓ مکہ پہنچے تو حضرت ابوبکرؓ نے اُن سے پوچھا کہ کیا آپ کو امیر حج بنا کر بھیجا گیا ہے تو انہوں نے جواب دیا نہیں! امیر حج تو آپ ہی ہیں' میں تو حج کے موقع پر یہ اعلان کرنے کے لیے بھیجا گیا ہوں کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک مسجد حرام کے قریب نہ آئے۔

۱۰ھ میں رسول اللہ ﷺ ہزاروں کی تعداد میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ حجۃ الوداع کے لیے تشریف لے گئے۔ حج کے بعد واپس مدینہ منورہ تشریف لائے تو ایک مفصل خطبہ دیا جس میں آپؐ کے وصال کی طرف اشارہ تھا۔ حضرت ابوبکرؓ حقیقت حال تک پہنچ گئے اور رونے لگے جبکہ دوسرے لوگ حضرت ابوبکرؓ کے آنسو بہانے پر متعجب ہوئے اور وصال کا اشارہ نہ سمجھ پائے۔ اس خطبے کے بعد رسول اللہ ﷺ بیمار ہو گئے۔ بیماری بڑھتی گئی اور آپؐ اب مسجد بھی نہ جا سکتے تھے۔ چنانچہ حکم دیا گیا کہ ابوبکر صدیقؓ نماز پڑھائیں۔ (بخاری) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے تعمیل ارشاد میں نماز پڑھائی۔ آپؓ نے رسول اللہ ﷺ کی مرضِ وفات میں سترہ نمازوں کی امامت کی۔ پیر کے دن رسول اللہ ﷺ نے وفات پائی۔ لوگوں کا ہجوم فرطِ غم سے اوسان کھو رہا تھا۔ حضرت عمرؓ کا یہ حال تھا کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کا انکار کر رہے تھے۔ اس موقع پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آگے بڑھے اور لوگوں سے مخاطب ہو کر کہا: ''تم میں سے جو کوئی محمد ﷺ کی عبادت کرتا تھا (وہ جان لے کہ) وہ تو وفات پا گئے' اور تم میں سے جو کوئی اللہ کی بندگی کرتا تھا تو وہ زندہ ہے' اس کو موت نہیں۔ پھر آپؓ نے ﴿وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ......الخ﴾ سورۂ آل عمران کی آیت ۱۴۴ پڑھی جس کو سن کر سب لوگوں کو آپ ﷺ کی وفات کا یقین آ گیا۔ (صحیح بخاری)

جب آپ ﷺ کی تدفین پر آراء میں اختلاف ہوا تو حضرت ابوبکرؓ نے فرمانِ رسول کا حوالہ دے کر فرمایا کہ انبیاءؑ وہیں دفن ہوتے ہیں جہاں ان کی وفات ہوتی ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ کو

اُمّ المؤمنین حضرت عائشہؓ کے حجرے میں دفن کیا گیا۔ (موطا امام مالک)

اب خلیفہ کے انتخاب کے مرحلے پر مختلف آراء سامنے آئیں اور فیصلہ کرنا مشکل ہو گیا تو حضرت عمرؓ آگے بڑھے اور ابوبکرؓ کے ہاتھ میں ہاتھ دیتے ہوئے کہا کہ آپ ہمارے سردار اور ہم لوگوں میں سب سے بہتر ہیں۔ رسول اللہ ﷺ آپ کو سب سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔ (بخاری) چنانچہ لوگوں نے آپ کی بیعت کر لی۔ حضرت علیؓ اور چند دوسرے اصحابؓ نے بوجوہ فوری بیعت تو نہ کی البتہ آپؓ کے ساتھ تعاون کیا۔ (طبقات ابن سعد) چھ ماہ بعد حضرت علیؓ نے بھی حضرت ابوبکرؓ کی بیعت کر لی۔ (صحیح بخاری) اور تعاون جاری رکھا۔

خلافت کی ذمہ داری سنبھالتے ہی مشکلات اور خطرات کا طوفان آ گیا۔ مدعیانِ نبوت اٹھ کھڑے ہوئے۔ مرتدین نے مسائل کھڑے کر دیے اور منکرین زکوٰۃ نے بھی سر اٹھایا، مگر اس موقع پر حضرت ابوبکرؓ نے کمال ثابت قدمی اور پامردی کا مظاہرہ کیا۔ جس لشکر کو رسول اللہ ﷺ نے اپنی حینِ حیات شام پر حملہ کا حکم دیا تھا، اُس کی روانگی کے بارے میں تشویش ہوئی اور مختلف آراء سامنے آئیں تو آپؓ نے فرمایا: ''خدا کی قسم! اگر مدینہ منورہ اس طرح آدمیوں سے خالی ہو جائے کہ درندے آ کر میری ٹانگیں کھینچنے لگیں تب بھی میں اس مہم کو نہیں روک سکتا'' (تاریخ الخلفاء) چنانچہ حضرت اسامہ بن زیدؓ کی سرکردگی میں یہ لشکر روانہ ہوا اور چالیس دن کے بعد کامیاب و کامران واپس لوٹا۔

مرتدین اور نبوت کے جھوٹے دعویداروں کی شورشوں کو بڑی دانائی اور حکمت عملی سے دبایا۔ رائے عامہ کے خلاف منکرین زکوٰۃ کے ساتھ اس انداز میں کارروائی کی کہ وہ خود زکوٰۃ لے کر بارگاہِ خلافت میں حاضر ہو گئے۔ (صحیح بخاری)

رسول اللہ ﷺ کی وفات کے ساتھ ہی وحی نبوت کا سلسلہ ختم ہوا۔ قرآن مجید کے اجزاء متفرق تھے۔ آیات اور سور کی ترتیب آپ ﷺ نے بتا دی تھی، تاہم کسی کے پاس مکمل نسخہ موجود نہ تھا۔ حضرت ابوبکرؓ کے حکم سے زید بن ثابتؓ نے قرآن کے متفرق اجزاء کو کتاب کی صورت میں مدوّن کر دیا۔ پھر اس نسخے کو محفوظ کر لیا گیا، یہاں تک کہ حضرت عثمانؓ نے اپنے عہد خلافت میں اس سے نقل کر کے متعدد نسخے تیار کیے اور دوسرے شہروں میں بھیج دیے۔ (صحیح بخاری) اس طرح حضرت ابوبکرؓ ہی جامع القرآن تھے۔

شام پر رومی اور ایران پر کیانی خاندان کی حکومت تھی۔ یہ حکومتیں اس وقت کی سپر پاور

تھیں۔ لہٰذا وہ عربوں کو خاطر میں نہ لاتے تھے اور ان کو اپنا باجگزار بنانا چاہتے تھے۔ رسول اللہﷺ نے جزیرہ نمائے عرب تک اسلام کا غلبہ حاصل کرلیا تو بادشاہوں کو دعوتِ اسلام کے خطوط بھیجے۔ پھر جلد ہی آپ کی رحلت ہوگئی تو خلیفۂ اوّل نے عراق اور شام کے خلاف لشکر بھیجے‘ جس کے نتیجہ میں کامیابیاں بھی ہوئیں اور کثیر تعداد میں مالِ غنیمت بھی ہاتھ لگا۔

رسول اللہﷺ کی وفات کے سوا دو سال بعد حضرت ابوبکرؓ کی زندگی کا پیمانہ لبریز ہوگیا۔ مسلسل پندرہ دن تک شدید بخار میں مبتلا رہے۔ مسجد میں جانے سے معذور ہوئے تو حضرت عمرؓ کو حکم دیا کہ نماز پڑھائیں۔ پھر ساتھیوں سے مشورہ کر کے حضرت عمرؓ کے لیے جانشینی کا پروانہ لکھوا دیا۔ وفات سے قبل وصیت کی کہ مجھے پرانے کپڑوں کا کفن دینا۔ پوچھا گیا تو فرمایا: ’’زندہ لوگ مردوں کی بہ نسبت نئے کپڑوں کے زیادہ مستحق ہیں‘‘۔ پیر کے روز تریسٹھ سال کی (مسنون) عمر میں جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔ (طبقات ابن سعد) نماز جنازہ حضرت عمرؓ نے پڑھائی اور رسول اللہﷺ کے پہلو میں دفن ہو کر یارِ غار نے رسول اللہﷺ کی دائمی رفاقت حاصل کر لی۔

❁ ❁ ❁

علامہ اقبال اور حدیثِ نبویؐ

عبدالرشید عراقی

علامہ اقبال ایک عظیم مفکر، اسلام کے داعی اور علمبردار تھے۔ ایک عظیم شاعر، فلسفی، معلّم اخلاق، حکیم الامت، ترجمانِ حقیقت، مردِ قلندر وغیرہ کی مختلف حیثیتیں ان کی ذاتِ واحد میں قدرت نے جمع کردی تھیں۔ وہ توحید خالص کے پرستار، دین کامل کے علمبردار اور تجدیدِ ملت کے طلب گار تھے۔ اُن کے روئیں روئیں میں رسول اللہ ﷺ کا عشق پیوست تھا۔ شورش کاشمیری مرحوم نے لکھا تھا: ''جب علامہ اقبال کے سامنے خاتم النبیین ﷺ کا نام نامی لیا جاتا تو ان کی آنکھیں آنسوؤں سے تر ہوجاتی تھیں''۔ اقبال برصغیر (پاک وہند) کی آبرو، مشرق کی عزت اور اسلام کا فخر تھے۔

اس وقت ملک میں ایک ایسا طبقہ موجود ہے جو یہ پروپیگنڈا کرتا ہے کہ اقبال منکر حدیث تھے، ان کے ہاں دین میں حدیث حجت نہیں تھی۔ لیکن یہ پروپیگنڈا صریحاً جھوٹ پر مبنی ہے۔ اگر کلامِ اقبال کا بغور مطالعہ کیا جائے تو اس بات کی واضح الفاظ میں تردید ہوتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اقبال حدیث کو دین میں حجت تسلیم کرتے تھے۔ آپ کے کلام میں بکثرت ایسے اشعار ملتے ہیں جن میں آپ نے حدیث رسول اللہ ﷺ کی تشریح وتوضیح فرمائی ہے۔ علامہ اقبال کے نظریۂ حدیث کی وضاحت ان کے اس شعر سے ہوتی ہے: ؎

بہ مصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نرسیدی تمام بولہبی ست

علامہ اقبال کے حدیث سے متعلق اشعار پیش کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ اقبال کے نظریۂ حدیث کے متعلق ملک کے ممتاز علمائے کرام اور دانشوروں کے تأثرات پیش کیے جائیں۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی لکھتے ہیں:

''رسول اللہ ﷺ کی ذات مبارک کے ساتھ ان کی والہانہ عقیدت کا حال اکثر لوگوں کو معلوم ہے۔ مگر شاید کسی کو معلوم نہیں کہ انہوں نے اپنی ساری تصانیف اور اپنی تمام

عقلیت کو رسول اللہﷺ کے قدموں میں ایک متاعِ حقیر کی طرح نذر کر کے رکھ دیا تھا۔ حدیث کی جن باتوں پر نئے تعلیم یافتہ نہیں پرانے مولوی تک کان کھڑے کرتے ہیں اور پہلو بدل کر تاویلیں کرتے ہیں' یہ ڈاکٹر آف فلاسفی ان کے ٹھیٹھ لفظی مفہوم پر ایمان رکھتا تھا اور ایسی کوئی حدیث سن کر ایک لمحے کے لیے بھی اس کے دل میں شک کا گزر نہ ہوتا تھا۔ ایک مرتبہ ایک شخص نے ان کے سامنے بڑے اچنبھے میں اس حدیث کا ذکر کیا جس میں یہ بیان ہوا ہے کہ رسول اللہﷺ اصحابِ ثلاثہ کے ساتھ اُحد پر تشریف رکھتے تھے' اتنے میں اُحد لرزنے لگا اور حضورﷺ نے فرمایا: ٹھہر جا' تیرے اوپر ایک نبیؐ' ایک صدیق اور دو شہیدوں کے سوا کوئی نہیں ہے۔ اس پر پہاڑ ساکن ہو گیا۔ اقبال نے حدیث سنتے ہی کہا: اس میں اچنبھے کی کونسی بات ہے؟ میں اس کو استعارہ و مجاز نہیں بالکل مادی حقیقت سمجھتا ہوں اور میرے نزدیک اس کے لیے کسی تاویل کی حاجت نہیں۔ اگر تم حقائق سے آگاہ ہوتے تو تمہیں معلوم ہوتا کہ ایک نبی کے قدموں کے نیچے مادے کے بڑے بڑے تودے بھی لرز اٹھتے ہیں' مجازی طور پر نہیں واقعی لرز اٹھتے ہیں۔'' (۱)

مولانا غلام رسول مہر تقریباً ۱۶ سال تک حضرت علامہ اقبال کی صحبت میں رہے۔ اپنے ایک خط میں مولانا عزیز زبیدی کو لکھتے ہیں:

''میں نے ۱۶ برس کی مدت میں حضرت علامہ اقبال کی زبان سے کبھی ایسی بات نہیں سنی کہ جس سے یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ حدیث کے بارے میں ان کا عقیدہ عام مسلمانوں کے عقیدے سے متضاد ہے۔''

مولانا عبدالمجید سالک اقبال کے نظریۂ حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں:

''علامہ اقبال کا مسلک حدیث کے بارے میں وہی تھا جو ہمیشہ سے مسلمان مفکرین کا رہا ہے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ وہ آنحضرتﷺ کے عاشق اور اُن کی سنت مقدسہ کے پیرو تھے۔ انہوں نے اپنے اشعار میں جا بجا احادیث رسول کا نہایت شیفتگی کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ وہ دین و شریعت کے احکام میں حدیث کو یقیناً ماخذ مانتے تھے''۔

ڈاکٹر سید عبداللہ مرحوم فرماتے ہیں:

''علامہ اقبال حدیث کو حجت مانتے تھے اور دین و شریعت کے احکام کے لیے حدیث کو ماخذ اور حجت تصور کرتے تھے اور محدثین کرام نے جو کارہائے نمایاں انجام دیے اس کی تعریف کرتے تھے''۔

شفاء الملک حکیم محمد حسن قرشی اپنے ایک خط میں مولانا عزیز زبیدی کو لکھتے ہیں:

''علامہ اقبال حدیث کی اہمیت کو تسلیم کرتے تھے۔ برگسان سے ملاقات کے وقت دہر کے متعلق حدیث کا انہوں نے ذکر کیا جس پر برگسان نے تعجب کا اظہار کیا کہ تیرہ سو سال پہلے یہ بھی کہا گیا ہے۔ مولانا سید سلیمان ندوی کے نام خطوط میں بھی انہوں نے حدیث کی اہمیت و افادیت کو تسلیم کیا ہے بلکہ وہ حضرت ابوسعید خدریؓ کی حدیث اُحد کے متعلق فرماتے ہیں کہ یہ استعارہ نہیں' بلکہ واقعہ ہے کہ اُحد حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے نزولِ اجلال کی وجہ سے کانپ گیا تھا۔ میری رائے میں احادیث کی تنقیح کے متعلق ان کے وہی خیالات تھے جو ائمہ محققین کے تھے''۔

پروفیسر یوسف سلیم چشتی جو کلام اقبال کے شارع بھی تھے اور کئی سال حضرت علامہ اقبال کی صحبت میں رہے' اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں:

''اقبال ہرگز ہرگز منکر حدیث نہیں تھے''۔(۲)

حدیث سے محبت اور اس کی افادیت کلامِ اقبال میں بہت زیادہ ملتی ہے۔ علامہ اقبال کو حدیث سے قلبی لگاؤ تھا۔ علامہ اقبال کے فارسی کلام میں اس کے شواہد موجود ہیں۔ علامہ اقبال فرماتے ہیں:

(۱) زندگی از دہر ودہر از زندگی است
لاَ تَسُبُّوا الدَّھْرَ فرمانِ نبی است (۳)

''حیات نے زمانے سے جنم لیا اور زمانے نے ذوقِ حیات سے ۔اس لیے نبی کریمﷺ نے ارشاد فرمایا کہ زمانے کو برامت کہو''

اس میں درج ذیل حدیث قدسی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے:

((لَا تَسُبُّوا الدَّھْرَ فَاِنَّ اللّٰہَ ھُوَ الدَّھْرُ))(٤)

''زمانہ کو برامت کہو' کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی زمانہ ہے''۔

(۲) لاَ نَبِیَّ بَعْدِیْ ز احسانِ خدا است
پردۂ ناموسِ دینِ مصطفیٰ است (۵)

''آنحضرتﷺ کا یہ ارشاد کہ لاَ نَبِیَّ بَعْدِیْ (میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا) ہم پر خدا تعالیٰ کا بہت بڑا احسان ہے۔ یہ حدیث دینِ مصطفیٰﷺ یعنی اسلام کے لیے باعث عزت وتوقیر ہے''۔

اس شعر میں اس حدیث نبوی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے:

((اِنَّهُ سَيَكُوْنُ فِيْ اُمَّتِيْ ثَلَاثُوْنَ كَذَّابُوْنَ كُلُّهُمْ يَزْعُمُ اَنَّهُ نَبِيٌّ ، وَاَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ لَا نَبِيَّ بَعْدِيْ))(٦)

''میری اُمت میں تیس (۳۰) کذاب و دجال پیدا ہوں گے اور یہ سب اس بات کا دعویٰ کریں گے کہ ہم اللہ کے نبی ہیں۔ یاد رکھو میں آخری پیغمبر ہوں' میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔''

(۳) آنکہ نازد بر وجودش کائنات
ذکرِ او فرمود با طیب و صلوٰۃ (۷)

''اُس ہستی مقدس (رسول اللہ ﷺ) نے جس کے وجود پر تمام کائنات کو ناز ہے' عورت کا تذکرہ نماز اور خوشبو کے ساتھ کیا ہے''۔

حدیث کے اصل الفاظ یہ ہیں:

((حُبِّبَ اِلَيَّ النِّسَاءُ وَالطِّيْبُ وَجُعِلَتْ قُرَّةُ عَيْنِيْ فِي الصَّلَاةِ))(٨)

''مجھے خوشبو اور عورت محبوب ہے اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز ہے''۔

(۴) گفت آں مقصودِ حرفِ کُنْ فکاں
زیرِ پائے اُمّہات آمد جناں (۹)

''رسول کریم ﷺ نے جو تخلیق کائنات کا حقیقی مقصد تھے' فرمایا ہے کہ جنت ماں کے پاؤں کے نیچے ہے''۔

اس شعر میں اس حدیث کی طرف اشارہ ہے:

((فَاِنَّ الْجَنَّةَ تَحْتَ رِجْلَيْهَا))(١٠)

''جنت ماں کے قدموں تلے ہے''۔

(۵) من شبے صدّیق را دیدم بخواب
گل ز خاکِ راہِ او چیدم بخواب
آں أَمَنَّ النَّاس بر مولائے ما
آں کلیمِ اوّلِ سینائے ما (۱۱)

''میں نے ایک رات حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خواب میں دیکھا اور ان کے پائے مبارک کی خاک سے پھول چنے۔ وہ صدیق جس نے ہمارے ہادی و مولا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ پر سب سے زیادہ احسان کیے اور جو ہمارے طور (اسلام) کا پہلا کلیم

(مردِ حق گو وحق پرست) تھا''۔

دوسرے شعر میں اس حدیث کی جانب اشارہ ہے کہ آنحضرتﷺ نے ایک دفعہ ارشاد فرمایا:

((اِنَّ أَمَنَّ النَّاسِ عَلَیَّ فِیْ صُحْبَتِہٖ وَمَالِہٖ اَبُوْبَکْرٍ))(۱۲)

''پے در پے مالی اور جسمانی امداد دے کر تمام لوگوں میں سب سے زیادہ احسانات مجھ پر ابوبکرؓ نے کیے ہیں''۔

(۶) از حدیث مصطفیٰؐ داری نصیب؟

دینِ حق اندر جہاں آمد غریب (۱۳)

''کیا تو حدیث مصطفیٰ کی حکمت و ماہیت سے بہرہ ور ہے؟ رسول اکرمﷺ نے فرمایا ہے دینِ حق (اسلام) دنیا میں غریب (اجنبی) کی حیثیت سے آیا ہے''۔

اس شعر میں اس حدیث کی طرف اشارہ ہے:

((بَدَأَ الْاِسْلَامُ غَرِیْبًا وَسَیَعُوْدُ کَمَا بَدَأَ غَرِیْبًا))(۱۴)

''اسلام کی ابتدا اجنبیت میں ہوئی اور عنقریب دوبارہ اجنبی ہو جائے گا''۔

(۷) با سیہ فاماں یدِ بیضا کہ داد؟

مژدۂ ''لاَ قَیْصَر وکِسْرٰی'' کہ داد؟ (۱۵)

''اسلام کی برکت سے سیاہ فام لوگوں (بلال حبشیؓ) کو ید بیضا (روحانی قوت) کس نے عطا کیا؟ اور مسلمانوں کو قیصر و کسریٰ کے زوال کا مژدہ کس نے سنایا؟''

اس شعر میں آنحضرتﷺ کے اس ارشاد کی طرف اشارہ کیا گیا ہے:

((اِذَا ھَلَکَ کِسْرٰی فَلَا کِسْرٰی بَعْدَہٗ وَاِذَا ھَلَکَ قَیْصَرَ فَلَا قَیْصَرَ بَعْدَہٗ))(۱۶)

''جب کسریٰ ہلاک ہو جائے گا تو اس کے بعد کوئی کسریٰ نہیں ہوگا۔ اسی طرح جب قیصر ہلاک ہو جائے گا تو اس کے بعد کوئی قیصر نہیں ہوگا۔''

ایک دوسرے شعر میں علامہ فرماتے ہیں:

اے درو دشتِ تو باقی تا ابد

نعرۂ ''لاَ قَیْصَر وکِسْرٰی'' کہ زد؟ (۱۷)

''اے اُمت عربیہ! تیرے در و دشت (آبادی وصحرا) تا ابد سلامت رہیں۔ لا قیصر و کسریٰ کا نعرہ کس نے لگایا تھا؟''

علامہ اقبال کا سنت رسول ﷺ سے جو تعلق تھا وہ ان کے کلام سے ظاہر ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ اقبال منکر حدیث نہیں تھے' اور جو طبقہ انہیں منکرین حدیث کے گروہ میں شامل کرتا ہے وہ ان پر ایک بہت بڑا بہتان باندھتا ہے۔ علامہ کو حضرت خاتم النبیین محمد رسول اللہ ﷺ اور حجازِ مقدس سے جو تعلق تھا اس کا ثبوت اس رباعی سے ملتا ہے جو آپ نے اپنے انتقال سے کچھ دیر پہلے کہی تھی:۔

سرودِ رفتہ باز آید کہ ناید؟
نسیمے از حجاز آید کہ ناید؟
سر آمد روزگارِ ایں فقیرے
دگر دانائے راز آید کہ ناید؟ (۱۸)

حواشی

(۱) جوہرِ اقبال' ص۱۲۸۔ (۲) ہفت روزہ چٹان لاہور' ۲۱/اپریل ۱۹۵۸ء۔
(۳) اسرارِ خودی' ص۲۷۔
(۴) صحیح مسلم' کتاب الالفاظ من الادب وغیرھا' باب النھی عن سب الدھر' رقم:۴۱۶۹۔
(۵) رموزِ بےخودی' ص۱۰۲۔
(۶) سنن الترمذی' ابواب الفتن' باب ما جاء لا تقوم الساعۃ حتی یخرج کذابون' رقم:۲۱۴۵۔
(۷) رموزِ بےخودی' ص۱۴۹۔
(۸) سنن النسائی' کتاب عشرۃ النساء' باب حب النساء' رقم:۳۸۷۹۔
(۹) رموزِ بےخودی' ص۱۵۰۔
(۱۰) سنن النسائی' کتاب الجھاد' باب الرخصۃ فی التخلف لمن لہ والدۃ' رقم ۳۰۵۳۔
(۱۱) رموزِ بےخودی' ص۱۵۶۔
(۱۲) صحیح البخاری' کتاب الطلاق' باب الخوخۃ والممرّ فی المسجد' رقم ۴۴۶۔
(۱۳) جاوید نامہ' ص۷۷/۶۶۵۔
(۱۴) صحیح مسلم' کتاب الایمان' باب بیان ان الاسلام بدا غریبا۔ رقم ۳۰۸۔
(۱۵) جاوید نامہ' ص۷۹/۶۶۷۔
(۱۶) صحیح البخاری' کتاب فرض الخمس' باب قول النبی احلت لکم الغنائم' رقم ۲۸۸۸۔
(۱۷) پس چہ باید کرد' ص۳۹/۸۳۵۔ (۱۸) ارمغان حجاز' ص۱۲/۸۹۴۔

❁❁❁

عہدِ نبوی ﷺ میں صنعت وحرفت

ظفر اقبال اعوان

جیسے غذا اور مکان وغیرہ انسان کی بنیادی ضروریاتِ زندگی میں شامل ہیں ایسے ہی کپڑا بھی انسان کی بنیادی ضرورت ہے۔ نبی اکرم ﷺ کا ارشادِ مبارک ہے:

((لَیْسَ لِابْنِ آدَمَ حَقٌّ فِی سِوٰی ھٰذِہِ الْخِصَالِ : بَیْتٌ یَسْکُنُہُ وَثَوْبٌ یُوَارِی عَوْرَتَہُ وَجِلْفُ الْخُبْزِ وَالْمَاءِ))☆

''ابنِ آدم کا متاعِ دُنیوی میں صرف یہ حق ہے کہ اس کے لیے گھر ہو جس میں وہ رہ سکے' کپڑا ہو جس سے وہ اپنے جسم کو ڈھانپ سکے اور کھانے کے لیے روٹی اور پینے کے لیے پانی ہو''۔

عہد نبویؐ میں جب بحرین کا رئیس مسلمان ہوا تو حضور نبی کریم ﷺ نے اسے خط کے ذریعے یہ ہدایت فرمائی کہ بعض لوگوں کے پاس زمین نہیں ہے' ان میں سے ہر ایک کو خزانۂ عامرہ میں سے گزارے کے لیے چار درہم اور لباس دیا کریں(۱)۔ عہد نبویؐ میں حکومت کو یمن کے علاقے (نجران) سے ہر سال دو ہزار پارچہ جات موصول ہوتے تھے۔ اُس علاقے میں کپڑا بننے کی صنعت کافی مستحکم تھی(۲)۔ خلفائے راشدین کے عہد میں عقبہ کی بندرگاہ ایلیا سے مرکز کو سالانہ تین سو دینار اور دو ہزار ملبوسات روانہ کیے جاتے(۳)۔

ایک حدیث میں ہے کہ تجارت کی ترقی کے لیے نبی اکرم ﷺ نے لوگوں کو مشورہ دیا کہ کپڑے کی تجارت کیا کرو کہ کپڑے کا تاجر یہ چاہتا ہے کہ لوگ خوشحال اور فارغ البال رہیں(۴)۔

کپڑے کے کاروبار کی ایک صورت یہ ہے کہ مختلف ممالک میں کپڑے کے کارخانے لگائے جائیں جہاں کپڑا تیار کر کے فروخت کیا جائے' جس طرح آج کل ملٹی نیشنل کمپنیاں مختلف ممالک میں اپنے کارخانے قائم کر کے دنیا بھر میں تجارت کرتی ہیں۔ کارخانہ دار بھی تاجروں

☆سنن الترمذی' کتاب الزھد عن رسول اللہ ﷺ' باب منہ' ح: ۲۲۶۳۔

میں ہی شمار ہوتے ہیں' اس لیے فریضۂ زکوٰۃ کی ادائیگی میں تمام تاجروں کو برابر قرار دیا جاتا ہے' خواہ کارخانہ دار ہوں یا دستی کھڈی والے' چھابڑی والے ہوں یا سونے کے بیوپاری' بڑے شہر کے تجارتی مرکز کے مالک ہوں یا پرچون فروش' سونے کے ڈیلرز ہوں یا چاندی کے' نفع کمانے والے ہوں یا خسارہ اٹھانے والے' یہ تمام سال کے آخر پر اپنے اموالِ تجارت کا حساب لگا کر اس کی مالیت مقررہ نصاب کے برابر پائیں تو زکوٰۃ ادا کریں گے۔(۵)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا پیشہ تجارت تھا اور مدینہ آنے کے بعد بھی اسی پیشے سے وابستہ رہے۔ وصالِ نبویؐ کے وقت آپؓ باتفاقِ رائے جوف کی بستی سنخ میں سکونت پذیر ہوئے۔ ابن سعدؒ کی ایک روایت سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی سنخ کی بستی میں نقل مکانی کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ آپؓ کی وہاں زرعی زمین تھی۔ آپ نے اس زمین کی اصلاح بھی کی۔ عہد نبویؐ کی اسلامی حکومت کی طرف سے آپؓ کو یہ زمین الاٹ ہوئی تھی۔ اس زمین پر آپ نے اپنا گھر اور کارخانہ قائم کیا۔ یہ کپڑے کا کارخانہ تھا جس میں کئی ایک کاریگر کام کرتے تھے(۶)۔ موجودہ دور میں بھی حکومتیں صنعتیں قائم کرنے کے لیے آسان شرائط پر زمینیں دیتی ہیں۔ جب مسلمانوں کو فتوحات حاصل ہوئیں تو نبی اکرم ﷺ نے مہاجرین و انصار میں سے بعض نادار مسلمانوں میں ان زمینوں کے بعض حصے تقسیم فرمائے۔ اس طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو عہد نبویؐ کی اسلامی حکومت کی طرف سے کارخانہ وغیرہ لگانے کے لیے گویا زمین کی سہولت مہیا تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ میں مہاجرین کی آبادکاری اور کفالت' اصحابِ صفہ کی اعانت اور عام مسلمانوں کی مالی نصرت فرمائی۔

دستکاری ایک مقدس پیشہ ہے جس کو اپنا کر بہتر روزگار حاصل کیا جا سکتا ہے۔ گھریلو صنعت کے سلسلے میں دستکاریوں کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ اس بارے میں سب سے پہلا کام کی جگہ کا تعین ہوتا ہے۔ اکثر ماہرین نے گھریلو صنعتوں سے وہ صنعتیں مراد لی ہیں جو مزدور یا کاریگر کے اپنے گھر میں کام کر رہی ہوں۔ مثلاً کولہو سے تیل نکالنے' کپڑا بننے اور سوت کاتنے کے تمام کام مزدوروں کے اپنے گھروں میں ہوتے ہیں(۷)۔ علاوہ ازیں موچی' سنار' بڑھئی اور کپڑا رنگنے والوں کا شمار بھی گھریلو صنعت کاروں میں ہوگا۔ البتہ گھریلو صنعتوں کے زمرے میں آنے والی بعض صنعتیں گھروں کے اندر ممکن نہیں ہوتیں۔ مثلاً مچھلیاں پکڑنا' چمڑا رنگنا' کھجور کے درخت لگانا۔ یہ تمام کام ایسے ہیں جو کاشت کار کے اپنے گھر میں نہیں ہو سکتے۔ اس قسم کے تمام کام عام طور پر آبادی سے باہر کیے جاتے ہیں' لیکن پھر بھی ان کا شمار گھریلو صنعتوں میں ہی ہوتا

ہے۔اس لیے گھریلوصنعتوں سے محض یہ مراد لینا کہ وہ مزدور کے اپنے گھر میں ہی ہوتی ہیں' غلط ہے۔حضور نبی اکرمﷺ نے کپڑا بننے' اناج پیسنے' جوتے بنانے' برتن تیار کرنے اوراس قسم کی دیگر گھریلوضروریات کی اشیاء کوخود تیار کرنے کی حوصلہ افزائی فرمائی ہے۔عورتوں کوسوت کاتنے کی ترغیب دی گئی تو مَردوں کو بننے کی تلقین کی گئی۔آپﷺ کے دور میں دستکاری کو روزگار کی فہرست میں بڑی اہمیت حاصل تھی۔دستکاری سے ملکی آمدنی میں اضافہ ہوتا ہے۔ مدینہ منورہ میں ٹیکسٹائل کا پیشہ بنونجار کا تھا' وہ اس پیشہ میں شہرت ومہارت رکھتے تھے اور عمدہ کپڑا تیار کرتے تھے۔نبی اکرمﷺ اپنا لباس بنونجار سے تیار کرواتے تھے(۸)۔بنونجار کے مکانات بڑے اورسب سے عمدہ تھے۔وہ اپنے گھروں میں کپڑا بنتے تھے۔حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کاتعلق بھی بنونجار سے تھااورآپؓ بھی ٹیکسٹائل کی صنعت سے وابستہ تھے۔

مکی عہد میں ہی متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کپڑے کی صنعت میں خاص مقام بنالیا تھا(۹)۔ عہدنبویؐ میں مہاجرین کی مستقل رہائش کے لیے بڑے بڑے مکان تعمیر کروائے گئے۔ان میں عیال داروں اوراکیلے رہنے والوں کے لیے الگ الگ مکان تھے(۱۰)۔ان میں بعض مکان چھوٹے بھی تھے۔اس طرح دستکاری سے وابستہ صحابہ کرامؓ کورہائش کے ساتھ ساتھ کام کرنے کے لیے جگہ کی بھی سہولت مل گئی۔عہدنبویؐ میں دیہات میں لوگ اونٹ کی اون سے خیمے بھی بنایا کرتے تھے(۱۱)۔

رسول اللہﷺ نے زرعی منصوبہ بندی فرمائی اورآبادکاری کے لیے قطعاتِ اراضی تقسیم فرمائے۔اس طرح مدینہ منورہ کے آس پاس غیرآبادعلاقہ جلدآباداورسرسبز وشاداب ہوگیا اورجگہ جگہ زرعی بستیاں آباد ہوگئیں۔اس سے مدینہ منورہ پر پڑنے والے مہاجرین کی آبادی کے دباؤ پر بڑی حد تک قابو پالیا گیا(۱۲)۔چونکہ عہدنبویﷺ میں دستکاریوں کو روزگار کی فہرست میں بڑی اہمیت حاصل تھی لہٰذاان بستیوں میں زراعت کے ساتھ ساتھ دستکاری کا کام بھی ہوتا تھا۔اس طرح یہ بستیاں گویا کسانوں اورصنعت کاروں کی بستیاں تھیں۔عہدنبویؐ کے اسلامی معاشرہ کی معیشت کا دار و مدار زراعت' صنعت' تجارت اورمحنت مزدوری پرتھا۔اب صدیوں کے سائنس وٹیکنالوجی کے ارتقاء کے نتیجے میں صنعتیں بہت ترقی کرگئی ہیں۔ بڑے بڑے کارخانے قائم ہوگئے ہیں جس کی وجہ سے ماحول آلودہ ہورہا ہے۔البتہ اب حفظانِ صحت کے اصولوں پرکام کرتے ہوئے بڑے بڑے کارخانے آبادی سے باہر قائم کیے جارہے ہیں' اورجوکارخانے آبادی میں ہیں انہیں باہر منتقل کیا جارہا ہے' تاکہ کیمیکلز اوردھوئیں سے پھیلنے

والی آلودگی سے بچا جا سکے۔

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اور حضرت عامر بن کریز رضی اللہ عنہ ریشم فروش تھے۔ اون اور ریشم سے کپڑا بُنوا تے تھے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ بھی کپڑے کے تاجر تھے۔ غزوۂ تبوک میں حضرت عثمانؓ نے جو ایک ہزار اونٹ اور ستر گھوڑے جہاد کے لیے دیے تھے یہ تمام مال کپڑے کی تجارت سے کمایا تھا۔ حضرت طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ کو کپڑوں کی تجارت سے روزانہ خاصی آمدنی تھی(۱۳)۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ بھی کپڑے کے تاجروں میں شمار کیے جاتے تھے۔ حضرت سوید بن قیس العبدیؓ بھی مشہور تاجر تھے۔ ان سے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شلوار خریدی تھی۔ جب اس کا وزن کیا گیا تو وزن کرانے والے سے آپؐ نے فرمایا کہ اسے جھکتا ہوا تو لو۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ چٹائیاں بنتے تھے۔ آپؓ نے منجنیق سازی اور دستکاریوں کو بھی فروغ دیا۔ انصارِ مدینہ جنگی اور زرعی آلات بنانا جانتے تھے۔ حضرت سعد انصاری رضی اللہ عنہ پتھروں کی تراش خراش کر کے برتن تیار کرتے تھے۔ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شہد کی مکھیاں پالتے تھے۔ مدینہ منورہ میں حدادین یعنی لوہے کا کام کرنے والوں اور خراطین یعنی خراد کا کام کرنے والوں کا ایک پورا بازار تھا جس سے متعدد صحابہ کرامؓ وابستہ تھے۔ فتح مکہ کے بعد مکہ مکرمہ کی منڈی مسلمانوں کے ہاتھ میں آئی جس سے مدینہ میں دستکاریوں کو بہت فروغ ملا(۱۴)۔

کھجور مدینہ کی اہم برآمد تھی(۱۵) جس کی وجہ سے ٹوکریوں کی دستکاریوں کو بہت فروغ ملا' اس لیے کہ کھجوریں ٹوکریوں میں پیک کر کے بھیجی جاتی تھیں۔

جنگ خندق کے موقع پر کفارِ مکہ کو شکست ہوئی تو وہ قحط کا شکار ہو گئے۔ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا علم ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سخاوت وایثار کے تحت مکہ معظّمہ کے قحط زدہ افراد کے لیے پانچ سو اشرفیاں بھجوا دیں۔ اس کے ساتھ ہی ابوسفیان (رضی اللہ عنہ) کے پاس کھجوروں کی کافی مقدار بھجوائی اور کہلا بھیجا کہ وہ ان کھجوروں کے بدلے میں کھالیں بھیجیں۔ واضح ہو کہ کھالیں جوتے بنانے اور دیگر صنعتی ضروریات کے کام آتی ہیں۔

نقود یعنی نقدی پر زکوٰۃ کی دلیل یہ حدیث مبارکہ ہے کہ ہر مسلمان پر اس کی کمائی یا حرفت میں صدقہ واجب ہے(۱۶)۔ اس حدیث مبارکہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کئی مسلمان اہل حرف (دستکاروں) کی آمدنی اتنی تھی کہ وہ صاحب نصاب تھے۔

عہد نبویؐ کی اسلامی ریاست نے بھیک مانگنے کی حوصلہ شکنی کی اور محنت' صنعت وحرفت اور دستکاریوں کی حوصلہ افزائی کی' جس کی وجہ سے صنعت وحرفت اور دستکاریوں کو فروغ ملا۔

اس عہد مبارک میں کان کنی کو بھی فروغ ملا۔ بنوسُلیم کے مہاجرین مدینہ اور غیر مہاجرین طبقات زیادہ تر چاندی سونے کی کان کنی اور تجارت کرتے تھے۔ ان کے علاقے میں ان کی کافی کانیں تھیں (۱۷)۔ کان کنی کے فروغ سے معدنی صنعت ترقی کرتی ہے۔ اسلام سائنس وٹیکنالوجی کی حوصلہ افزائی کرتا ہے تاکہ ترقی ہو اور انسانیت کو نفع حاصل ہو۔ اس کے برعکس مغربی و دیگر اقوام کا سائنس وٹیکنالوجی میں ترقی کرنے کا مقصد اقوام کو کمزور کرکے ان کا معاشی استحصال کرنا ہے۔ موجودہ دَور میں کارخانوں میں سوئی گیس اور بجلی استعمال ہوتی ہے۔ صنعت کار و تاجر حضرات آئے دن حکومت سے یہ درخواست کرتے ہیں کہ انہیں یہ دونوں چیزیں سستی فراہم کی جائیں تاکہ پیداواری لاگت کم ہو اور ان کی مصنوعات عالمی منڈی میں دوسری اقوام کا مقابلہ کر سکیں۔ عہد نبویؐ میں سوئی گیس اور بجلی دریافت نہیں ہوئی تھی، اس لیے کہ سائنس وٹیکنالوجی نے ابھی اتنی ترقی نہیں کی تھی۔ عہد نبویؐ میں بھٹیوں میں لوہا پگھلانے کے لیے لکڑی بطور ایندھن استعمال ہوتی تھی۔ لوہے سے اسلحہ اور عام استعمال کی چیزیں بنائی جاتی تھیں۔ لوگوں نے گھروں میں بھٹیاں بنا رکھی تھیں۔

حضور اقدس ﷺ نے چونگیوں کو ختم کیا۔ آپؐ نے جدید تجارتی منڈیاں قائم کیں جن میں کوئی محصول نہیں لیا جاتا تھا (۱۸)۔ اس وجہ سے لکڑی کی قیمتیں مناسب تھیں۔ گویا صنعتی ترقی کے لیے ایندھن مناسب قیمت پر دستیاب تھا۔

عہد نبویؐ میں اسلامی ریاست کے باقاعدہ جنگلات تھے۔ حضرت عبداللہ بن سلام اور ابولیلیٰ رضی اللہ عنہما ایک طرح سے وزیر جنگلات تھے، یعنی درختوں کی دیکھ بھال اور ان کی لکڑیوں کی خرید وفروخت پر نگران تھے۔ تجارتی منڈیوں میں محصول نہ ہو تو خام مال بھی سستا ملتا ہے جس سے پیداواری لاگت کم ہو جاتی ہے اور پیداوار بڑھتی ہے، صنعت وحرفت کو وسعت ملتی ہے، نئی نئی ایجادات ہوتی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے دورِ مبارک میں ہمہ گیر ترقی کے لیے خواندگی کو فروغ دینے کی خاطر خصوصی اقدامات فرمائے۔ آج کے دور میں پاکستان میں بجلی کی پیداوار میں اضافہ ہمہ گیر ترقی کے لیے ضروری ہے۔ اس کے لیے خصوصی اقدامات ضروری ہیں۔

ڈاکٹر حمید اللہ مرحوم کی تحقیق کے مطابق نبی اکرم ﷺ نے راستوں کے لیے معیار مقرر کیا تھا کہ ان میں سے دو لدے ہوئے اونٹ (آمنے سامنے سے) آسانی سے گزر جائیں۔ جب راستے اتنے کشادہ ہوں کہ ان سے دو لدے ہوئے اونٹ آسانی سے گزر سکیں تو لوگوں کو تکلیف نہیں ہوگی اور زرعی وصنعتی سامان کی نقل وحمل آسان ہوگی (۱۹)۔ آج کل کے دور میں

وَن ویز ہیں‘ اور جہاں سنگل روڈز ہیں اُن میں دو بڑی گاڑیوں کے آسانی سے آمنے سامنے سے گزرنے کو معیار بنایا جا سکتا ہے۔ سامان کی آسان نقل و حمل سے صنعت کو فروغ ملتا ہے۔ ہمارے ملک کی سب سے زیادہ برآمدات ٹیکسٹائل سے تعلق رکھتی ہیں۔ اعداد و شمار کے مطابق ہمارے ملک کو تقریباً ۶۰ فیصد سے زیادہ زرمبادلہ کپڑے کی صنعت سے حاصل ہوتا ہے۔

آج مسلم ممالک کو آپس میں اتحاد کی شدید ضرورت ہے۔ وہ باہمی صنعت وتجارت کے فروغ کے لیے مشترکہ منڈیاں قائم کریں۔ آپس میں سائنس وٹیکنالوجی کی ترقی میں تعاون کریں۔ تیل سے مالا مال مسلم ممالک معاشی لحاظ سے کمزور مسلم ممالک کی مدد کریں۔ صنعتی ترقی کے لیے آئی ایم ایف کے چنگل سے نکلنا بھی ضروری ہے‘ اس لیے کہ آئی ایم ایف جیسے اداروں کو سود در سود ادا کرنے سے ہماری معیشت تباہ ہوتی ہے۔ پھر یہ ادارے ایسی شرائط عائد کرتے ہیں جس سے سوئی گیس اور بجلی مہنگی ہوتی ہے۔ اس طرح وہ ہماری صنعت کو ترقی کی جانب گامزن نہیں ہونے دیتے۔ عالمی مالیاتی فنڈ کی شرائط میں ہماری صنعتی سرگرمیوں کو محدود کرنے کی کوششیں نمایاں ہیں۔ ہمیں آئی ایم ایف وغیرہ سے مدد لینے کے بجائے اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ صنعت وتجارت کی سرگرمیوں کو فروغ دیا جائے اور برآمدات کو بڑھایا جائے۔ مشترکہ منڈیاں قائم کرنے سے ایجادات کو بھی فروغ ملے گا۔ حکمرانوں اور عوام کے ماہانہ مشاہروں اور مراعات میں تفاوت کو کم سے کم کیا جائے۔ حکمران اپنی مراعات میں کمی کریں‘ غیر ضروری اخراجات ختم کریں‘ عیاشیوں اور بے پناہ سہولتوں سے پرہیز کریں۔ بجلی کی پیداوار میں اضافے کے لیے مناسب اقدامات کریں۔ بجلی وافر ہوگی تو ہماری صنعت ترقی کرتی رہے گی‘ منڈیوں میں وقت پر اشیاء بھیجی جا سکیں گی‘ قیمتی زرمبادلہ حاصل ہوگا۔ ترقی کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ جوہر قابل کی حوصلہ افزائی کی جائے‘ ان کی صلاحیتوں سے فائدہ اٹھایا جائے۔ سیرت کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے جوہر قابل کی حوصلہ افزائی فرمائی تھی۔ آپؐ انہیں عہدے اور وظائف دیتے تھے اور ان کی صلاحیتوں سے استفادہ کرتے تھے۔[۲۰]

عباسی حکمران ہارون الرشید نے مشہور سائنسدان جابر بن حیان‘ جو کہ شروع میں ایک غریب دواساز تھا‘ کا وظیفہ مقرر کیا اور اس کے کام کے لیے سرمایہ مہیا کیا تو اس نے کیمیا کے میدان میں انقلاب برپا کر دیا۔ لہٰذا ترقی کے لیے جوہر قابل کی حوصلہ افزائی ضروری ہے۔ ان

کو ترقیاتی کام سونپے جائیں‘ ان سے تحقیق کا کام لیا جائے۔ بالخصوص سائنس دانوں سے انڈسٹری کی ترقی کے لیے ریسرچ کا کام لیا جائے۔ دوسرے لفظوں میں ہماری ریسرچ کا تعلق انڈسٹری کی ضروریات کے مطابق ہونا چاہیے۔

حواشی

(۱) پیغمبر حکمت و بصیرت‘ مؤلف: پروفیسر محمد صدیق‘ ص ۱۰۷۔
(۲) رسول اللہﷺ کی حکمرانی و جانشینی‘ مؤلف: ڈاکٹر حمید اللہ مرحوم۔
(۳) اسلام کا قانونِ محاصل‘ مؤلف: ڈاکٹر نور محمد غفاری‘ ص ۲۲۔
(۴) عصر حاضر میں اسلام کیسے نافذ ہو؟ مؤلف: مولانا تقی عثمانی‘ ص ۴۳۷۔
(۵) اسلام کا قانون محاصل‘ تالیف: ڈاکٹر نور محمد غفاری‘ مرکز تحقیق دیال سنگھ لائبریری‘ لاہور‘ ص ۹۸۔
(۶) رسول اللہﷺ کی زرعی منصوبہ بندی‘ تالیف: محمد اسلم ملک۔
(۷) گھریلو دستکاریاں‘ مؤلفہ: شاہدہ حلیم‘ مکتبہ جامع تعلیم ملی‘ ملیر کراچی۔
(۸) حکیم ممتاز ہلال مدنی۔ العلم والعلماء‘ روزنامہ ایکسپرس‘ ص ۶۸‘ ۶۹۔
(۹) غزواتِ نبویؐ کے اقتصادی پہلو۔
(۱۰) سیرت طیبہ‘ علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی۔
(۱۱) محاضرات سیرت‘ مؤلف: محمود احمد غازی‘ ص ۴۲۷۔
(۱۲) اسلام کا قانون اراضی‘ مؤلف: نصرت علی اثیر‘ ص ۸۷۔
(۱۳) عہد نبوی کا اسلامی تمدن‘ علامہ عبدالحق کتانی‘ ترجمہ مولانا رضی الدین‘ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ لسبیلہ کراچی‘ ص ۲۳۹۔
(۱۴) عہد نبویؐ کا اسلامی تمدن‘ ص ۲۴۰۔
(۱۵) غزوات نبویؐ کے اقتصادی پہلو‘ مؤلف: پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقی ندوی‘ ص ۱۳۳۔
(۱۶) رسول اللہﷺ کی زرعی منصوبہ بندی۔
(۱۷) اسلام کا قانونِ محاصل‘ ص ۹۰‘ ۹۱۔
(۱۸) غزوات نبوی کے اقتصادی پہلو‘ ص ۱۳۰۔
(۱۹) تاریخ مدینہ‘ مؤلفہ عبدالمعبود۔
(۲۰) مسلم بستیاں‘ پروفیسر اکرام علی گیلانی‘ ص ۹۹۔

❁ ❁ ❁

چند معاشرتی خرابیاں اور ان کا علاج

شہزاد احمد رضی

آج کے پُر آشوب دَور میں اسلام کی اصل روح کو جس شدت سے بیدار کرنے کی ضرورت ہے، اتنی شاید پہلے کبھی نہیں تھی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم نے بہت ساری ایسی چیزوں کو اسلام کا حصہ سمجھ لیا ہے جن کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے، لیکن ہم ان کو ضروری سمجھتے ہیں۔ ان میں سے کچھ کا تعلق ہمارے عقائد سے اور کچھ کا تعلق ہمارے رویوں سے ہے، اور ان میں سے کچھ کو تو ہم اپنی نجات کا بنیادی ذریعہ سمجھتے ہیں، حالانکہ اگر ہم تعصب اور تنگ نظری کی عینک اتار کر دیکھیں تو ہمیں یقیناً اپنی غلطی کا احساس ہونا شروع ہو جائے گا۔ ایسی چیزیں تو ہمارے معاشرے میں بہت ساری ہیں لیکن ہم اس مضمون میں چند ایک کا ذکر کرتے ہیں۔

ہمارے ہاں ایک عجیب سی اجتماعی عادت پائی جاتی ہے کہ ہم نبی اکرم ﷺ سے حد درجہ محبت کا دعویٰ تو کرتے ہیں اور جس شے کو ہم آپؐ کی ادنیٰ سی بھی گستاخی سمجھتے ہیں اس کے ارتکاب پر مرنے مارنے پر تل جاتے ہیں، لیکن جب آپؐ کے اُسوۂ حسنہ پر چلنے کی بات ہو تو ہم اس سے کنی کترا کر نکل جاتے ہیں، اور ''وہ تو نبی تھے ہم بھلا دنیادار اور گناہگار لوگ کیسے ایسا کر سکتے ہیں؟'' یا ''کیا کریں دنیا داری بھی تو دیکھنی پڑتی ہے'' وغیرہ جیسے گھسے پٹے فقرے بول کر اپنی دنیاداری میں مگن ہو جاتے ہیں، حالانکہ حضور ﷺ نے جو بھی کیا یا فرمایا، ہمیں بھی وہی کچھ کرنا چاہیے۔ اگر آپ ﷺ کے اقوال یا اعمال پر عمل ناممکن ہوتا تو سورۃ الاحزاب میں یوں نہ فرمایا جاتا:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ (آیت ۲۱)

''مسلمانو! یقیناً تمہارے لیے اللہ کے رسول ﷺ ہی بہترین نمونہ ہیں۔''

لیکن ہم عشق محمدیؐ کے دعوے دار اس حقیقت سے آنکھیں بند کر لیتے ہیں۔ یہ کیسی محبت ہے؟ محبت کا تقاضا تو یہ ہے کہ محبوب کی ہر خواہش اور عمل کی اتباع اور پیروی کی جائے۔ ہمارے ہاں

آج کل آپ ﷺ سے اظہارِ محبت کا معیار صرف یہ بن چکا ہے کہ گاہے بگاہے محفل نعت یا محفل میلاد کا انعقاد کر لیا جائے، جس سے ہم سمجھتے ہیں کہ ہم نے آپؐ کے اُمتی اور متبع ہونے کا حق ادا کر دیا ہے، حالانکہ ان محفلوں کا حاصل یہ ہوتا ہے کہ ان میں شرکیہ اشعار کثرت سے پڑھے جاتے ہیں اور دوسرے مسلمانوں پر خوب کیچڑ اچھالا جاتا ہے جو آپؐ کی تعلیمات کے سراسر خلاف ہے۔ اگر ہمیں واقعی حضور ﷺ سے محبت ہے تو ہمیں چاہیے کہ اُسوۂ حسنہ پر عمل کو اپنی زندگی کا شعار بنائیں، آپؐ کی اتباع میں اسلامی معاشرے کے قیام کے لیے جدوجہد کریں۔ جو پیسہ ہم ان محافل میں خرچ کرتے ہیں اُسی سے اگر ہم احادیث نبویہؐ اور حضور ﷺ کے ارشادات کو شائع کر کے ہدیتاً تقسیم کریں تو اس سے بہت زیادہ فائدہ ہوسکتا ہے، لیکن بدقسمتی سے ہم اس میدان میں بہت پیچھے ہیں۔ غیر مسلم تو اپنے عقائد پر مبنی لٹریچر، جس میں بعض دفعہ بڑی بڑی کتب شامل ہوتی ہیں، کو بلا معاوضہ دھڑا دھڑ پھیلا رہے ہیں جبکہ ہم ایسا کچھ نہیں کر رہے۔ ہمیں چاہیے کہ غیر مسلموں کے اسلام اور حضور ﷺ پر کیے گئے اعتراضات کے جواب میں مفید لٹریچر لکھ کر یا لکھوا کر بلا معاوضہ شائع کریں اور خوب پھیلائیں۔ یقیناً یہ کام محافل نعت و میلاد منعقد کروانے سے کہیں بڑھ کر ضروری اور افضل بھی ہے اور کہیں زیادہ مؤثر بھی ہے۔

ایک اور عادت جو ہمارا ٹھوس عقیدہ بن چکی ہے، وہ یہ ہے کہ ہم اولیاء کرامؒ کی تعلیمات اور ارشادات پر عمل تو کرتے نہیں، البتہ ان کے مزارات کو عبادت گاہیں ضرور بنا لیا ہے اور ان پر جا کر سجدے کرتے ہیں، ان سے مرادیں مانگتے ہیں، جو صریحاً شرک ہے۔ دوسرے لفظوں میں ان کی تعلیمات اور ارشادات کی دھجیاں بکھیرتے ہیں۔ اولیاء کرام کی تعلیمات میں ان اعمال و افعال کا کوئی ذکر نہیں ملتا جو ہم انجام دے رہے ہیں۔ شیخ عبدالقادر جیلانی، حضرت علی ہجویری، حضرت بابا فرید، حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہم، وغیرہ کی محبت کے دعوے دار تو ہم ہیں لیکن ہمارے یہ دعوے سراسر جھوٹ پر مبنی ہیں، کیونکہ ہم نے ان کی تعلیمات کو پس پشت ڈال رکھا ہے۔ اگر ہم ان کی تعلیمات پر عمل نہیں کرنا چاہتے تو ان کا مذاق کیوں اڑاتے ہیں؟ بزرگانِ دین کے عرس کے موقع پر ہم سرکس، تھیٹر، قمار بازی اور دوسری خرافات کا جو بندوبست کرتے ہیں، کیا یہ ان کی تعلیمات کا مذاق نہیں؟ ان کے دربار پر جا کر مرادیں مانگنا کیا یہی ان کی تعلیمات تھیں؟ غنیۃ الطالبین اور کشف المحجوب پڑھ کر دیکھ لیں، یا کسی اور ایسی شخصیت کی کتاب یا کلام پڑھ کر

دیکھیں، کہیں بھی ایسے شرکیہ افعال کا تذکرہ نہیں ملے گا' لیکن آج ہم یہ سب کچھ ان کے نام پر کر رہے ہیں۔ شاید دراصل ہم ہر معاملے میں شارٹ کٹ کے عادی ہو چکے ہیں۔ اس لیے بجائے ان اولیاء کرامؒ کی تعلیمات پر عمل کر کے اللہ کو راضی کرنے کے' ہم ان اولیاء کرام کو راضی کرنے کی فکر میں رہتے ہیں اور سمجھتے ہیں اللہ ربّ العزت سے یہ خود ہی ہمارا معاملہ طے کر لیں گے' حالانکہ یہ سراسر بھول ہے۔ ہمیں اپنے انداز بدلنے چاہئیں اور ان اولیاء کرام کی اتباع میں اللہ کو راضی کرنے کی فکر کرنی چاہیے اور ان کی طرح اللہ سے اپنی مرادیں مانگنی چاہئیں' کیونکہ صرف وہی اس لائق ہے کہ اس سے مانگا جائے۔

ایک اور بری عادت جو ہمارے معاشرے خصوصاً دیہاتوں میں تو حد درجہ عام ہے' وہ ''پیر پرستی'' ہے۔ اگرچہ شہر کے لوگ بھی اس سے بریُ الذمہ نہیں ہیں لیکن شہروں میں یہ وبا قدرے کم ہے۔ بعض جگہ تو یہ عادت شرک کی شکل اختیار کر چکی ہے۔ اگر کوئی پیر اللہ اور رسولؐ کی اتباع کی دعوت دے تو اس کی بات ضرور ماننی چاہیے' مگر افسوس تو اس بات کا ہے کہ بہت سارے نام نہاد پیر وہ لوگ ہیں جن کی خود اپنی اخلاقی اور مذہبی حالت خطرناک حد تک غیر شرعی ہے' لیکن وہ اپنے بزرگوں کے گدی نشین بن کر بیٹھے ہیں۔ ان ہی کے بارے میں علامہ محمد اقبال نے فرمایا تھا:

ع زاغوں کے تصرف میں عقابوں کے نشیمن!

ان کا دعویٰ ہے کہ ان کی جماعت سے منسلک ہو کر شریعت پر عمل کی ضرورت ہی نہیں رہتی اور ان کے مریدین جو مرضی کریں' وہ پکے جنتی ہیں۔ ایسے ایسے پیر حضرات بھی ہیں جو اپنے مریدین کو نماز روزہ سے روکتے ہیں اور یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ان کا اور ان کے بزرگوں کا وسیلہ ان کے مریدوں کو دوزخ میں جانے ہی نہیں دے گا۔ کتنی عجیب بات ہے کہ محبوبِ ربّ العالمین' سرورِ عالمﷺ' آپؐ کے صحابہ کرامؓ اور آپؐ کے اہل بیت کو تو عبادات اور دوسرے احکامِ دین سے استثناء نہ مل سکا' اور آج کے پیر یہ حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے! ان میں سے بہت سارے پیر حضرات ایسے بھی ہیں جو اپنے مریدین کو فحش گالیاں بکتے ہیں اور کہیں تو اس سے بھی بڑھ جاتے ہیں اور اپنے مریدین سے غیر اخلاقی اور غیر شرعی مطالبات کرتے ہیں' جبکہ مرید بے چارے' اپنی جہالت کی بنا پر ان سے مرادیں مانگتے ہیں اور ان کی ناراضگی کو خدا کی ناراضگی سے بھی بڑی سمجھتے ہیں۔ لہٰذا اہل اسلام سے گزارش ہے کہ شعور اور بصیرت کا مظاہرہ کریں اور

اسلامی تعلیمات سے آ گاہی حاصل کریں۔ یہ ایمان رکھنا ضروری ہے کہ فائدہ یا نقصان پہنچانے کی قدرت صرف اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے۔ کوئی انسان اس کا ادنیٰ حق بھی نہیں رکھتا۔

ان کے علاوہ کسی کی وفات پر جو ہمارے ہاں رسومات ہیں' انہوں نے معاشرے میں بہت ساری برائیوں اور پریشانیوں کو جنم دیا ہے۔ یہ رسمیں سراسر بدعت (innovation) کے زمرے میں آتی ہیں اور بدعت کے بارے میں حدیث نبویؐ ہے:

((مَنْ اَحْدَثَ فِیْ اَمْرِنَا هٰذَا مَا لَیْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ))(۱)

''جس نے ہماری شریعت میں کسی بات کا اضافہ کیا جو اس میں نہ تھی تو وہ (نئی بات) مردود ہے''۔

قُل' دسواں' ساتواں' چالیسواں اور ہر جمعرات پر ختم وغیرہ' یہ سراسر غیر شرعی ہیں اور ان کی وجہ سے غریب کے لیے مرنا بھی مشکل ہو چکا ہے۔ ان بدعات پر بے انتہا اسراف کیا جاتا ہے۔ اس قدر اسراف کے باوجود شریک محفل لوگوں میں کسی نہ کسی کو کھانے کے معاملے میں اعتراض رہتا ہے اور مرحومین کو اس سے ذرہ بھر بھی فائدہ نہیں ملتا بلکہ نقصان کا اندیشہ ہے۔ اگر ہم مرحومین کے لیے کچھ کرنا ہی چاہتے ہیں تو ہمیں چاہیے کہ ان کی طرف سے صدقہ جاریہ کر دیں' جیسا کہ حضرت محمد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے پوچھنے پر حضورﷺ نے انہیں کرنے کو کہا تھا جس پر انہوں نے اپنی والدہ مرحومہ کی طرف سے کنواں کھدوا دیا' تا کہ اس کا ثواب مرحومہ کو ملتا رہے۔ ہمیں بھی مرحومین کے لیے ایسا کوئی نیک کام کرنا چاہیے نہ کہ بدعات میں پڑ جائیں' کیونکہ ان کا کوئی فائدہ نہیں ہے' بلکہ نقصان اور تباہی کا زیادہ اندیشہ ہے۔

ایک اور قبیح عادت جو ہمارے معاشرے میں رواج پا رہی ہے یہ ہے کہ ہم عورتوں کو عزت واحترام کی نگاہ سے نہیں دیکھتے' حالانکہ اسلام نے عورتوں کو جتنے حقوق دیے ہیں' وہ کسی مذہب نے نہیں دیے۔ عورت ماں' بہن' بیٹی اور بیوی ہر روپ میں قابل احترام ہے' لیکن افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ہمارے ہاں بعض گھرانوں میں بیٹی کی پیدائش پر جس طرح افسوس کا مظاہرہ ہوتا ہے' اس کو دیکھ کر زمانۂ جاہلیت اور ہندوانہ معاشرے کا دور تازہ ہو جاتا ہے۔ اگر کسی کے ہاں دو جڑواں بچیاں پیدا ہو جائیں تو لوگ ان کے گھر ایسے افسوس کرنے آتے ہیں جیسے کسی عزیز کے فوت ہونے پر کیا جاتا ہے۔ اس کی ایک وجہ جہیز اور بارات کے طوق واغلال

(۱) صحیح مسلم' کتاب الاقضیة' باب نقض الاحکام الباطلة وردّ محدثات الامور۔

ہیں جو ہم لوگوں نے خود اپنے گلے میں ڈال رکھے ہیں۔ دین اسلام میں ان کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں۔ لڑکے کے پیدا ہونے پر مٹھائیاں بانٹی جاتی ہیں' چاہے وہ بعد میں کیسا ہی ناخلف ثابت ہو' لیکن بیٹی جسے اللہ کے نبیﷺ نے رحمت قرار دیا ہے' اس کی پیدائش پر صف ماتم بچھ جاتی ہے۔ ہم رسول اللہﷺ کی یہ حدیث بھول جاتے ہیں کہ:

((مَنْ عَالَ جَارِیَتَیْنِ حَتّٰی تَبْلُغَا جَاءَ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ اَنَا وَھُوَ وَضَمَّ اَصَابِعَہٗ))[۲]

''جو شخص دو لڑکیوں کا بار اٹھائے اور ان کی پرورش کرے' یہاں تک کہ وہ بالغ ہو جائیں تو میں (رسول اللہﷺ) اور وہ شخص قیامت کے دن (اس طرح اکٹھے) آئیں گے''۔
(حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ) آپؐ نے ہاتھ کی انگلیوں کو بالکل ملا کر دکھایا''۔

یعنی بیٹیوں کی اچھی پرورش پر اس قدر اعزاز ہے تو ہم کیوں اس قدر افسوس اور ماتم کا اظہار کرتے ہیں؟ ہمارے شہروں میں تو پھر بھی عورت کو احترام دیا جاتا ہے لیکن ہمارے دیہات میں تو صورت حال خاصی مخدوش ہے۔ دیہات میں عورت کو غیر اسلامی رسومات کی قربان گاہ پر قربان کر دیا جاتا ہے۔ ہماری انہی غیر اسلامی عادتوں کی وجہ سے نام نہاد حقوق نسواں کی تنظیموں کو ہمارے مذہب اور اس کے ماننے والوں پر اعتراضات کا موقع مل جاتا ہے۔ ہمیں اس معاملے میں اپنا منفی رویہ ترک کرنا چاہیے' کیونکہ اگر عورت اتنی حقیر ہوتی تو جنت ماں کے قدموں تلے نہ ہوتی۔ ہمیں چاہیے کہ ہندوانہ سوچ کو چھوڑ دیں جو عورتوں کو حقیر سمجھتے ہیں۔ ہم مسلمان ہیں اور ہمارا رویہ بھی ایسا ہونا چاہیے جیسا ہمارا مذہب ہم سے مطالبہ کرتا ہے۔

---

(۱) صحیح مسلم' کتاب البرّ والصلۃ' باب فضل الاحسان الی البنات۔

جہاد فی سبیل اللہ

اصل حقیقت' اہمیت ولزوم اور مراحل و مدارج

بانی تنظیم اسلامی **ڈاکٹر اسرار احمد** کا ایک جامع خطاب

اشاعت خاص: 40 روپے اشاعت عام: 15 روپے

بقیہ: عرضِ احوال

ارض وسما کا یہ ارشاد ہو: ﴿وَرَفَعۡنَا لَکَ ذِکۡرَکَ﴾ کو کائنوں کی تعریف وتوصیف کا محتاج نہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے اور نجات اس میں مضمر ہے کہ زبان درود وثنا سے تر ہو اور انسان عمل سے پہلے دیکھے کہ نبیؐ کی سنت کیا ہے' حدیث رسولؐ کیا ہے؟ باقی سب ہیچ ہے۔

آج اُمت مسلمہ خصوصاً ہم پاکستانی ایسے نظام میں جکڑے گئے ہیں جو استحصالی ہے۔ استعمار کے ایجنٹوں نے انسانوں کی گردنوں پر پنجے گاڑے ہوئے ہیں۔ اس باطل نظام نے انسان کے منہ کو انسان کا خون لگا دیا ہے۔ لہٰذا سیاسی سطح پر ظلم ہے' جبر ہے' درندگی اور بربریت ہے۔ معاشی سطح پر استحصال ہے اور لوٹ مار ہے۔ معاشرتی سطح پر عدم مساوات ہے' عریانی اور بے حیائی ہے۔ جبکہ قرآن نے انسان کو جو عدل وقسط پر مبنی نظام دیا' جسے حضورﷺ نے اپنے صحابہ ؓ کی مدد سے قائم ونافذ کیا' وہ عملاً آج قریباً متروک ہو چکا ہے۔ اب اگر آج کوئی نعت خوان کسی ظالم وجابر حاکم کے مرمریں محل میں نعتِ رسولؐ پیش کرے اور داد پائے تو اگرچہ ہم فتویٰ دینے کی پوزیشن میں نہیں لیکن عقل سلیم کا تقاضا ہے کہ ہم سمجھیں کہ یہ دین کے ساتھ کھلا مذاق ہے۔ ہمارا اوّلین فریضہ یہ ہے کہ ہم عدل وقسط پر مبنی اس نظام کو قائم کرنے کے لیے تن من دھن کی بازی لگا دیں جس کی خاطر آپﷺ مکہ کی گلیوں میں کانٹوں پر چلے' طائف میں سنگ باری برداشت کی' حرم میں اونٹ کی اوجھڑی تلے دبے' اُحد میں دندانِ مبارک شہید کروائے اور غزوۂ احزاب کے موقع پر پیٹ پر دو دو پتھر باندھے۔ آیئے سیرتِ مبارکہ کے اس حصہ پر غور کریں اور سنتِ رسولؐ کو اپنا کر اسلام کا نظامِ عدلِ اجتماعی قائم کریں اور دنیا کو جنت نظیر بنائیں۔ تب ہماری زبان کو زیب دے گا کہ ہم کہیں: ؎

سلام اُس پر کہ جس نے بادشاہی میں فقیری کی
سلام اُس پر کہ جس نے بے کسوں کی دستگیری کی

❁ ❁ ❁